کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:12 December 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	تمام صحابہ کرامؓ مغفور ومقتدا ہیں	مولانا عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	بہ قدر استطاعت منکرات کی اصلاح کرنا چاہیئے	مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ	۷
پیشِ گفتار	دہشت گردی، مدارسِ اسلامیہ اور اسلام	مدیر	۹
خصوصی مضامین	دیوبندیت کیا ہے؟	مفتی ابوالخیر عارف محمود	۱۴
	مسلک علماء دیوبند	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۱۹
	دارالعلوم دیوبند تجدیدِ دین کی عالم گیر تحریک	مولانا محمد اللہ قاسمی	۳۰
مدارسِ اسلامیہ	تحریک مدارس اور اس کے مقاصد	حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	۳۹
	مسلمانوں کی تعلیم میں دینی مدارس کا کردار	مولانا محمد فیاض صاحب قاسمی	۴۵
	آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے	مولانا محیی الدین الیاس ندوی بھٹکلی	۴۸
	دینی اداروں کو بددیانتی سے بچائیں	حضرت مولانا مفتی سلمان منصوری مدظلہ	۵۲
تبلیغ ودعوت	دعوتِ دین ایک اہم فریضہ	مولانا محمد مونس قاسمی	۵۷
	سوشل میڈیا کا منظم استعمال وقت کی اہم ضرورت	مولانا منور سلطان ندوی	۶۳
اصلاحِ معاشرہ	خدمت خلق اور اسلامی ہدایات	حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی مدظلہ	۶۷
افاداتِ اکابر	تصوف کیا ہے؟	حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ	۷۰
خبر	عالمِ اسلام کی خبریں	ادارہ	۷۹

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

درسِ قرآن

تمام صحابہ کرامؓ مغفور و مقتدا ہیں

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ (سورۃ التوبۃ)

ترجمہ: مہاجرین اور انصار میں سے سبقت اور پہل کرنے والے اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے، اللہ ان سب سے راضی ہوئے اور وہ لوگ بھی اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں، جس کے نیچے نہریں بہتی رہیں گی، وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے قبل نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا حیرت انگیز پہلو اُجاگر کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے اطراف واکناف کے دیہاتوں کے بدو جو مزاجاً تندخو، سنگ دل، کفر ونفاق، زیغ وضلال میں اپنی مثال آپ تھے، ان پر تعلیمِ نبوی کا ایسا جادو چلا کہ ان میں سے کچھ باتوفیق بندے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم واخلاق کے اثر سے مسحور ہوگئے جو منکر مبدا ومعاد تھے اب وہ اس پر ایمان لانے والے ہوگئے بلکہ کچھ آگے بڑھ کر ان عقائد کے مبلغ بن گئے۔

دیہاتی مومنین کے ذکر کے بعد اس آیت میں زعما واعیان مومنین کا ذکر ہے یعنی ان مومنین کا جنہوں نے ناگفتہ بہ حالات میں اپنے پروردگار کے حکم پر اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہا پھر ان میں کچھ وہ بھی ہیں جن کو ہجرت کے اس باب میں مقام اولیت واشرفیت حاصل ہے جب یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہونچے وہاں کے باشندوں نے اپنے دل بڑے کر کے ان کی نصرت واعانت کی اور نصرت واعانت بھی ایسی مثالی کہ چشم فلک نے ایسی کشادہ ظرفی کے واقعات دوبارہ نہ دیکھے ہوں؛ قصہ مختصر یہ ہے کہ کچھ نے ہجرت کا حکم سن کر سبقت کی، کسی

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نے ان پردیسیوں کے ساتھ مواخاۃ کا معاملہ کیا تو کسی نے پورے انشراح قلب اور اخلاصِ نیت کے ساتھ ان دونوں جماعتوں کے نیکوکاروں کی اتباع کی اور احکامِ تشریعی وقضاءِ تکوینی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا، چناں چہ ان تینوں جماعتوں کے ہجرت، ایثار اور احسان کے نتیجے میں اس ذات نے پروانہ رضا عطا کیا جو وساوس قلب اور دلوں کی نیت سے باخبر ہے، اس طرح یہ پروانۂ رضا اس پوری جماعت کے لئے ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر اثر تربیت یافتہ ہوئے اور بلا استثناء ان سب کے لئے بشارت عظمیٰ اور پروانۂ جنت ہے۔

ابوصخر حمید بن زیاد کا بیان ہے کہ میں محمد بن کعب قرظی کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ صحابہ کرامؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؛ فرمایا کلام مجید میں آیا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اس آیت میں کوئی شرط نہیں کہ نیک ہو یا بد، سب کے متعلق فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، ابوصخر نے کہا کہ یہ آیت سُن کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویہ یا آیت میں نے پہلے پڑھی ہی نہ تھی، نہ اس کی تفسیر کا مجھے علم تھا، پھر ابوصخر نے کہا میں کہتا ہوں تمام صحابہ کرامؓ کے جنتی ہونے کی واضح دلیل میں اگر یہ ایک آیت پیش کی جائے تو زیادہ مناسب ہے، لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ ... وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی یہ اور اس جیسی بہت سی آیاتِ مبارکہ بلا استثناء تمام صحابہ کرامؓ کے لئے پروانۂ رضا اور پروانۂ جنت ہے ایسے ہی صحابہ کرامؓ کی برتری اور حجت، عدالت وثقاہت کو ثابت مانا گیا ہے۔

اسی سلسلے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار احادیث مبارکہ موجود ہیں ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہؓ کو بُرا نہ کہو، کہیں فرمایا: میرے صحابہ کرامؓ ستاروں کے مانند ہیں تم کسی کی بھی اقتداء کرلو کامیاب ہوجاؤ گے۔

مذکورہ آیات واحادیث سے یہ پتہ چلا کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت مغفور بھی ہے اور مقتدا بھی، دین میں معیار بھی اور حجت بھی، سچی بات تو یہ ہے کہ امت اور نبی کے درمیان علوم نبوت کو اور کلامِ الٰہی کو منتقل کرنے کا کوئی واسطہ ہے تو وہ یہی صحابہ کرامؓ کا واسطہ ہے، اگر کوئی اس واسطہ کو مطعون کرکے دین میں ان کی قیادت کو مجروح کرے گا اور دین میں ان کی قیادت پر حرف آئے گا تو پھر اصل دین پر سے اعتماد نہ صرف کمزور پڑے گا بلکہ دین کی شبیہ ہی بگڑ جائے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرامؓ کے متعلق تمام عقائد حقہ کو دل میں بسانے اور ان کے ادب واحترام اور اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرنے کی سعادت نصیب فرمائے، اور ہماری زبان کو ان کے متعلق لغزشوں اور جنبشِ قلم کو غلط تعبیر پیش کرنے سے محفوظ رکھے۔ آمین

درسِ حدیث

بہ قدر استطاعت منکرات کی اصلاح کرنا چاہیے

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیقِ رَضِیَ اللّٰہ عنہ اِنَّکُمْ تَقْرَؤُونَ ھٰذِہِ الاٰیَۃَ " یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ " فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوْا مُنْکَرًا فَلَمْ یُغَیِّرُوْا یُوْشِکُ اَنْ یَعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابِہٖ (رواہ ابن ماجہ، والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہو "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ " اے ایمان والو! تم پر لازم ہے اپنے نفسوں کی فکر، تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے گمراہ ہونے والے لوگ جب تم راہِ ہدایت پر ہو۔) ۔۔۔ (حضرت صدیقِ اکبرؓ نے اس آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ کسی کو اس آیت سے غلط فہمی نہ ہو) میں نے خود نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ شریعت کے خلاف کام ہوتے دیکھیں اور اُس کی تغییر اور اصلاح کے لئے کچھ نہ کریں تو قریبی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن سب ہی پر عذاب آجائے۔

تشریح: سورۂ مائدہ کی یہ ایک سو پانچویں آیت ہے جس کا حوالہ صدیق اکبرؓ نے دیا ہے، اس آیت کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اہلِ ایمان کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ وہ اس کی فکر کریں کہ وہ خود اللہ و رسول کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں، دوسروں کی اصلاح و ہدایت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر دوسرے لوگ اللہ و رسول کے احکام کے خلاف چل رہے ہیں تو چلتے رہیں، ہم کو ان کی گمراہی اور غلط کاری سے کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔

صدیقِ اکبرؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ آیت سے ایسا سمجھنا غلط ہوگا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا رویہ یہ ہو جائے کہ وہ دوسرے لوگوں کو

خلافِ شریعت کام کرتے دیکھیں اوران کی اصلاح کے لئے کچھ نہ کریں بلکہ ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں تو اس بات کا قریبی خطرہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسا عذاب آئے جو سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

صدیقِ اکبرؓ کی اس حدیث اور قرآن وحدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں سورۂ مائدہ کی اس آیت کا مفاد اور مدعیٰ یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان! جب تم راہِ ہدایت پر ہو، اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (جس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور بقدر امکان بندگانِ خدا کی اصلاح وہدایت کی کوشش بھی شامل ہے) تو اس کے بعد ناخدا ترس لوگ ہدایت قبول نہ کریں اور گمراہی کی حالت میں رہیں، تو ان کی اس گمراہی اور معصیت کوشی کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں تم عنداللہ بری الذمہ ہو۔

(حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ''من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ'' اس سلسلۂ معارف الحدیث کی کتاب الایمان میں درج ہوچکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی خلافِ شریعت کام ہوتا دیکھے تو اگر اس کے لئے اس کا امکان ہے کہ طاقت استعمال کر کے روک دے تو ایسا ہی کرے، اور اگر اس کی استطاعت اور قدرت نہیں ہے تو زبان ہی سے نصیحت اور اظہارِ ناراضگی کرے، اگر اس کی بھی استطاعت اور قدرت نہیں ہے، تو دل ہی سے اس کو بُرا سمجھے اور دل میں اس کے خلاف جذبہ رکھے۔)

سننِ ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی قوم (اور جماعت) میں کوئی آدمی ہو جو ایسے اعمال کرتا ہو جو گناہ اور خلاف شریعت ہیں، اور اس قوم اور جماعت کے لوگ اس کی قدرت اور طاقت رکھتے ہوں کہ اُس کی اصلاح کر دیں اور اس کے باوجود اصلاح نہ کریں (اسی حال میں اُس کو چھوڑے رکھیں) تو اِن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ استطاعت وقدرت کے باوجود غلط کار اور بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح وہدایت کی کوشش نہ کرنا اور بے پروائی کا رویہ اختیار کرنا، اللہ کے نزدیک ایسا گناہ ہے جس کی سزا آخرت سے پہلے اس دنیا میں دی جاتی ہے۔ اللھم اغفر لنا وارحمنا ولا تعذبنا

پیش گفتار

دہشت گردی، مدارسِ اسلامیہ اور اسلام[1]

از: مدیر

آج ساری دنیا کے انسان خواہ وہ کسی قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، ''دہشت گردی اور بدامنی'' کی مصیبت کا شکار ہیں، ''دہشت گردی'' آج دنیا کا ایک ناقابلِ حل و بے قابو مسئلہ بنا ہوا ہے، یا بنا دیا گیا ہے۔ ''دہشت گردی'' کیا ہے؟ اسکا مطلب و مفہوم اور صحیح تعریف کیا ہے؟ اس کے بارے میں کوئی اطمینان بخش اور معقول جواب کسی کے پاس بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس اصطلاح کی مصیبت یہ ہے کہ دنیا کے سارے علماء و عقلاء اور دنیا بھر کی ہزاروں لغتیں اور ڈکشنریاں اس کے کچھ بھی معنی بتاتی ہوں گی! مگر مغربی آقاؤں کی اس سے متعلق اپنی ایک علاحدہ تشریح اور جداگانہ منطق ہے، اور اس کو سمجھنے سے آج ساری دنیا کے عقل مند عاجز و بے بس ہو چکے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ اصطلاح، عام اصطلاحاتِ زبان کی طرح کوئی متعین معنیٰ اور مخصوص تعریف نہیں رکھتی بلکہ ایک جادو ہے جو ہر جگہ ان کی مرضی اور مراد کے سانچہ میں ڈھل جاتا اور سر چڑھ کر بولتا ہے۔

اس سے بڑھ کر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ مغربی افکار و نظریات کے معماروں نے اِدھر کچھ عرصے سے ''دہشت گردی'' کو اسلام اور مسلمانوں سے در پردہ اور مبہم انداز میں جوڑنے کا عمل ترک کر کے۔ جواب تک چلا آرہا تھا ــــ باقاعدہ ''اسلامی دہشت گردی'' کی ایک اور اصطلاح وضع کر لی ہے، جس نے پوری دنیا کو بالخصوص مسلمانوں کو عجیب کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ مغربی میڈیا ــــ اور اب ملکی میڈیا بھی ــــ ان مفروضہ و مزعومہ اصطلاحات کو لے کر جس طرح اس کی تشہیر کر رہا ہے وہ میڈیا کے غیر جانبدار رول پر سوالیہ نشان ہے! میڈیا کے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اس طرزِ عمل اور جانبدارانہ بلکہ ظالمانہ پالیسی کا وہی نتیجہ نکلا جو نکل سکتا تھا۔

آج سے کوئی چند سال قبل کی بات ہے جب کہ میں U.K میں ایک دوست کے مکان کے سامنے کھڑا باتیں کر رہا تھا، ایک مقامی انگریز شراب کے نشہ میں چُور، بڑبڑاتا ہوا سامنے سڑک پر جا رہا تھا، وہ جب ہمارے

[1] یہ مضمون سن ۲۰۰۸ء میں حیدرآباد میں منعقدہ عظیم الشان ''مخالف دہشت گردی کانفرنس'' میں پڑھا گیا خطبہ استقبالیہ ہے۔

پاس سے گذرا اور اس کو چند داڑھی جیّے والے افراد کھڑے نظر آئے تو انہیں دیکھ کر رُک گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا، ''آپ لوگ یہاں رہیں، کمائیں، کاروبار کریں، گھر بنائیں سب کچھ کریں مگر بم بلاسٹ نہ کریں''۔ یہ سن کر مقامی احباب نے ٹھنڈے دل اور صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے اسلام اور اسلامی تعلیمات اور اپنے طرزِ عمل کا اس کے سامنے کچھ ذکر کیا جس کو وہ غور سے سنتا رہا، جب بات ختم ہوگئی تو بڑے احترام سے اس نے کہا، ''میں آپ لوگوں سے دل آزاری کی معافی چاہتا ہوں، میری معلومات آپ لوگوں کے بارے میں بس وہی تھیں جو ٹی وی کے ذریعہ پہونچی تھیں'' میرے خیال میں یہی ایک واقعہ میڈیا کے مسلمانوں کے تئیں بغض وعناد پر مبنی رویّے کو اور ان کے اثرات کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے تو اگرچہ اس ملک کا خمیر ہی گویا اخوت ومحبت سے تیار ہوا ہے، جس کے نتیجے میں باہمی مودت ومحبت، آپسی ہمدردی وغم خواری اور سکھ دکھ میں ایک دوسرے سے اشتراک ہندوستانی عوام کا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ افتخار رہا ہے، بلکہ اس ملک کی علامت و پہچان بن گیا ہے، لیکن گذشتہ کچھ عرصہ سے بعض فرقہ پرست طاقتوں اور فتنہ پرور تنظیموں نے اپنے اغراض ومفادات کی خاطر، یا ملک کی اس متحدہ جمہوری قوت کو منتشر کردینے کے لئے، یا پھر مغربی افکار ونظریات کے آلۂ کار بن کر ملک میں مسلمانوں کے خلاف بدگمانیوں، زہر افشانیوں اور بہتان تراشیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، اس کے لئے اسلام کی بعض تعلیمات کو اپنی مرضی کے معنی ومفہوم میں ڈھال کر اور صورت بگاڑ کر عوام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، جبکہ سب کو معلوم ہے کہ اسلام ایک عالمی وابدی مذہب ہے، ڈیڑھ ہزار برس سے پورے عالم میں موجود ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو سماجی واقتصادی مسائل سے لے کر سیاسی واجتماعی، تنظیمی وعسکری مسائل تک تمام شعبہ ہائے حیات اور ضروریات زندگی کے لئے وہ سب احکامات دیئے ہیں جن سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ان میں جنگ وجہاد اور بین الاقوامی تعلقات کے احکام بھی ہیں، جن کی بڑی تفصیل ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے تمام احکام کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے لیکن قرآن وحدیث ان احکام کے صرف اصول وقواعد کا علم دیتے ہیں، پھر ان کی تشریح وتفسیر اور موقع محل کی تعیین ایک خاص ضابطہ اور اصول کی پابندی اور حالاتِ زمانہ کی رعایت کے ساتھ علماءِ اسلام کی ذمہ داری ہوتی ہے، جب کہ یہ فرقہ پرست طاقتیں اسلام کی بعض تعلیمات کی اپنے منشاء اور اپنے علم کے مطابق تشریح کرکے اسے زبردستی اسلام کی تعلیم قرار دینے، برادرانِ وطن اور اقوام عالم کو ان کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کرنے کے لئے مغربی وصیہونی سازشوں کی نہ صرف یہ کہ تقلید کررہی ہیں بلکہ ان میں رنگ بھرنے اور مرچ مسالہ لگانے کے مذموم عمل میں مشغول ہیں؛ نیز ملکی میڈیا مغرب کی تقلید میں ان یک طرفہ اور ظالمانہ نظریات کو اپنے پروپیگنڈہ کی مدد سے مزید تقویت پہونچا رہا ہے۔

برادرانِ اسلام! اسی مغربی وصیہونی اور صیہونیت زدہ مسیحی سازشوں کا ایک بڑا اور اہم پہلو ''مدارسِ اسلامیہ عربیہ'' کو دہشت گردی کی تعلیمات کا مرکز اور مسلمانوں کے بگاڑ کی جڑ اور اصل قرار دینا ہے، اس پہلو کو یہاں کی فرقہ پرست اور بھاجپا ذہنیت کی تنظیموں نے تو بہت جلد اور پورے اعتماد کے ساتھ قبول کر کے اپنی سرگرمیوں کا نمایاں حصہ بنا ہی لیا تھا نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت اور انتظامیہ نے بھی اسی جھوٹے اور خلافِ واقعہ پروپیگنڈہ کی نظر سے مدارسِ اسلامیہ کو دیکھنا اور اسی کے موافق معاملہ کرنا شروع کر دیا ہے، جس کے نتیجہ میں ابنائے وطن، اور برادرانِ ملک کی نظروں میں ''مدارسِ اسلامیہ'' اور ان سے وابستہ خدمت گذاروں کا ملک وملت کے بارے میں صاف ستھرا کردار مشتبہ ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ ''مدارس اسلامیہ'' کوئی ڈھکے چھپے ادارے نہیں ہیں، کسی کو آنے ملنے دیکھنے اور معلومات حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، اس کی کوئی انڈر گراؤنڈ ایکٹی وٹیز نہیں ہیں، عسکری تربیت تو ان میں کیا ہوتی حفظانِ صحت کی بنیادی تدابیر اور ہلکی پھلکی جسمانی ورزشوں کا تک انتظام نہیں ہے؟ قوم کے بچوں کو صبح وشام اللہ رسول ﷺ کی باتیں سکھانا ان پر عمل کرانا اور اخلاقی وانسانی اقدار کی عظمت کو ان کے ذہنوں میں اجاگر کرنے کی کوشش کرنا مدارسِ اسلامیہ کا کام ہے

قارئین کرام! فضلائے مدارس نے ملک کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، وہ ملک کی سلامتی وتحفظ کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہے، جمعیۃ علماء فضلاء مدارسِ دینیہ کی ایک تنظیم ہے جو سو سال سے ملک میں موجود ہر ہر شہر میں قائم ہے، تمام سیاسی راہنما اس سے واقف ہیں، کیا یہ تنظیم کبھی کسی غیر سیکولر اور غیر قانونی ملک دشمن سرگرمی میں ملوث ہوئی ہے؟ جب کہ اس میں سب علماء ہیں یہ مدارس اسلامیہ کی تربیت کا فیضان نہیں تو اور کیا ہے؟ جدوجہد آزادی میں مسلمانوں نے ایک مذہبی اور دینی فریضے کے طور پر حصہ لیا بلکہ قیادت کی ہے، اس کے باوجود حکومت میں شرکت کے لئے کبھی کوئی رسہ کشی نہیں کی، یہ مدارسِ اسلامیہ اور علماء کرام کی تعلیم کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ آج بھی ملک کے ہزاروں مدارس لاکھوں طلبہ کی تعلیم وتربیت کر رہے ہیں، مدارس کے فارغین جہاں کہیں ہیں وہاں پابندِ ڈسپلن شہری ہیں، وہ ملکی قوانین کی دوسروں سے زیادہ رعایت کرتے ہیں، رواداری ومحبت ان کا امتیاز ہے، نفرت وبغض سے کوسوں دور ہیں، گاؤوں سے لے کر شہروں تک دیکھ لیا جائے کہ ان لوگوں کو اپنے دین وایمان کے تحفظ کی فکروں، مسلمانوں کی فکری ونظری راہنمائیوں اور مخلوقِ خدا کی حتی المقدور خدمتوں، اور اپنی مختصر سی روزی روٹی کے انتظام کے علاوہ ان کی کوئی دوسری مصروفیت بھی ہے؟ یہ پُرامن ذہن ان لاکھوں علماء اور طلبہ کو مدارسِ دینیہ کے ماحول نے نہیں دیا تو پھر کس نے دیا؟ بہ فرض محال ایک آدھ عالم یا طالب علم کسی غلط سرگرمی کی مثال ہے تو ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے، اُس کو برا کہنے میں ہم سب کے برابر ہیں، لیکن کیا کروڑوں میں دو ایک مثالیں کسی بھی عقل مند کے نزدیک پوری قوم کو موردِ الزام ٹھیرانے اور ان کی تصویر وشبیہ کو

بدل دینے کا سبب ہوسکتی ہیں؟ کیا اس قسم کے واقعات اس سے بھی کہیں زیادہ دیگر اقوام میں نہیں پائے جارہے ہیں؟ یہودی عیسائی، اور دنیا کی دیگر اقوام، اسی طرح ہمارے ملک کی بہت سی غیر مسلم تنظیموں اور افراد میں کیا ایسے جرائم بالکل نہیں ہوتے؟ اور کیا آئے دن اخبارات میں خود حکمران جماعت کے افراد کے ایسے واقعات سامنے نہیں آتے؟ اگر آتے اور یقیناً آتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''دہشت گردی'' کو صرف اسلام اور مدارسِ اسلامیہ سے منسوب کردینا اور بقیہ تمام اقوام کو اس سلسلہ میں معصوم و بے خطا سمجھ کر نظر انداز کردینا کہاں کا انصاف ہے؟

قارئین کرام! جہاں تک اسلام اور اس کی تعلیمات کا مسئلہ ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس نے مصالحت و مفاہمت، امن و آشتی، اور عدم تشدد کو اولین ترجیح دی ہے، آپ سوچیں کہ جس قرآن کریم نے ''توحید'' ـــــ جو بندوں کے خالق کا بنیادی اور لازمی حق ہے ـــــ کے معاملہ میں بھی تشدد کو روا نہیں رکھا، خود کو ''رب'' قرار دینے والے کے پاس اپنے نبی کو بھیجتے ہوئے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا کہہ کر اس سے نرمی و سنجیدگی کے ساتھ بات کرنے کا حکم دیا، ''شرک'' کو بدترین جرم فرمایا، لیکن اس کے مرتکبین کو بھی آخرت کے انجام بد سے خبردار کردینے کے بعد فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ کہہ کر دنیا کی حد تک انسانوں کو اپنے دین کے بارے میں فیصلے کی شخصی آزادی دی، ایک انسان کے ناحق قتل کو فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا کہہ کر پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا، لَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ اور اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کہہ کر بدامنی و فتنہ سامانی کو سخت ترین جرم بتلایا، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کہہ کے انسانیت کے بلند ترین مقام اور اس کے احترام کو لازم گردانا، اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى کہہ کر اپنے ماننے والوں کو اخوت و بھائی چارگی کی تعلیم اور ذات پات، اونچ نیچ کی عدم تقسیم کا پابند کیا، لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کہہ کر ایک دوسرے کے اموال و املاک کو تحفظ فراہم کیا، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہہ کر عام معاملات میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق عطا کئے، لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا کہہ کر اختلافِ دین و مذہب کے باوجود ناانصافی و زیادتی سے بچنے کی تاکید کی، لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہہ کر غیر اللہ کی پرستش کرنیوالوں کو تک بُرا بھلا کہنے سے روک دیا۔ کیا اس قرآن کو آسمانی کتاب اور خدائی پیغام سمجھنے والے مسلمان، اس کتاب کی ان تعلیمات کے باوجود فساد اور بدامنی کو پسند کرسکتے ہیں؟

اسی طرح جس مذہب کے نبی نے الناس بنو آدم و آدم خلق من تراب کہہ کر تمام انسانوں کا ایک ماں باپ کی اولاد ہونا اور ان کی حقیقت کا ایک ہونا بتلایا ہو، الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من

احسن الی عیالہ کہہ کر انسانیت کے احترام کو شاندار و بے مثال طریقہ پر یقینی بنایا ہو، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء کہہ کر تمام زمین والوں سے رحم دلی و ہمدردی کے سلوک کا حکم دیا ہو، حتیٰ کہ جس کی رحم دلی نے کسی جانور کی حق تلفی کو تک گوارا نہ کیا ہو، اونٹ کو ٹیک لگا کے بیٹھنے پر بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو، چڑیا سے اس کے بچے کو جدا کر لینے پر بھی جس کا دل بھر آیا ہو، وہ نبی کیا اپنی امت کو خون خرابے، قتل وغارت گری، اور فتنہ وفساد کی تعلیم دے سکتا ہے؟ اور اس نبی کو اور اس کی ایک ایک ادا کو متاعِ جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنے والے اس کے اُمتی کیا ان تعلیمات کے برخلاف بلاوجہ ظلم وتشدد کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

پھر وہ مدارس ومراکز جو اللہ کی اسی مبارک کتاب اور اس کے نبی کی ان سراپا رحمت ارشادات کی تعلیم وتعلم کے لئے قائم کئے گئے ہیں، جہاں دن رات یہی سب باتیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، ان مدارسِ اسلامیہ کو اگر دہشت گردی کے اڈے اور ٹررازم کے سنٹرز قرار دیا جائے، اور جانتے بوجھتے ان کی شبیہ وتصویر کو بگاڑ کر پیش کیا جائے، تو آپ ہی بتلائیے کہ اس پر ہم کیسے خاموش بیٹھ سکتے ہیں؟ یہ صرف اہل مدارس ہی کے لئے نہیں پورے عالم کے مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت صورتِ حال ہے، اس وقت سارے عالم کے مسلمان خصوصاً ہندوستانی مسلمان ـــــ جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور اس ملک کی تہذیب و روایت کا اٹوٹ حصہ ہیں ـــــ حکومت اور انتظامیہ کے اس طرزِ عمل بالفاظِ دیگر سرکاری دہشت گردی سے سخت بے چینی اور تشویش میں مبتلاء ہیں۔ یہ رویہ ہم امن پسندوں اور ملک وملت کے وفاداروں کے لئے کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جہاں ہم ظلم کرنے کو حرام سمجھتے ہیں ظلم سہنے کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں! اس لئے اُم المدارس دارالعلوم دیوبند نے ضرورت محسوس کی کہ پورے ملک میں اہلِ مدارس اس قسم کے اجلاس قائم کر کے میڈیا کے توسط سے انتظامیہ اور برادرانِ وطن بلکہ اقوامِ عالم کو بتائیں کہ مدارسِ اسلامیہ کا حقیقی کردار اور اسلامی تعلیمات کی صحیح تصویر کیا ہے؟ اس کے برخلاف مغربی افکار اور فرقہ پرست طاقتوں کا جھوٹا پروپیگنڈہ کیا ہے؟

قائد کے ساتھ لوگوں کا طرزِ عمل کیسا ہو؟

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ کے آخر میں قوم کو یہ نصیحت فرمائی:

اگر میں اچھا کام کروں تو تم میرا تعاون کرنا، اور اگر میں راہِ حق سے اِدھر اُدھر ہونے لگوں تو تم مجھے سیدھے راستہ پر گامزن کر دینا، میں یہ بات کہہ کر اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے اور اپنے لئے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ (موسوعۃ آثار الصحابہؓ: ۱/ ۳۵)

دیوبندیت کیا ہے؟

از: مفتی ابوالخیر عارف محمود*

تفرقہ اور راہِ حق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، تمام فرقے دوزخی ہوں گے، صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ما أنا عليه و أصحابی" جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہؓ ہوں گے (اس کی پیروی کرنے والے جنتی ہوں گے) (سنن ترمذی)۔ موطا امام مالک میں حدیث مرسل نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک ان کو مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور میری سنت"۔

اتباعِ سنت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اکابر علماء دیوبند اتباعِ سنت کی روشنی میں" لکھا ہے: "اصل اتباعِ سنت ہے، جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر پرکھا جائے گا، جو شخص اتباع سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مقرب ہوگا، روشن دماغی چاہے اس کے پاس کو بھی نہ آئی ہو اور جو شخص اتباع سنت سے جتنا دور ہے اللہ تعالیٰ سے بھی اتنا ہی دور ہے، چاہے وہ مفکرِ اسلام، مفکرِ دنیا اور مفکرِ سماوات بن جائے"۔

طائفہ منصورہ

امیر شام سیدنا حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا تزال طائفة من امتی قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم او خالفهم حتى ياتى امر الله وهم ظاهرون على الناس "میری امت کا ایک طبقہ امرِ الٰہی پر برابر قائم رہے گا، جو انھیں ذلیل کرنے کی کوشش کریں گے یا ان کی مخالفت کی کوشش کریں گے، وہ انھیں کوئی

* رفیق شعبۂ تصنیف و تالیف و استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

ضرر نہیں پہنچا سکیں گے؛ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ طبقہ لوگوں پر غالب رہے گا" (صحیح مسلم)۔

ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس علم کو ہر صحیح جانشین سے آگے ثقہ لوگ لیتے رہیں گے، وہ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، جھوٹوں کی من گھڑت باتوں اور جاہلوں کی (باطل) تاویل دور کرتے رہیں گے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ دین برابر قائم رہے گا اور اس کے لیے مسلمانوں کا ایک طبقہ برابر لڑتا رہے گا؛ یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے گی"۔

تجدید دین

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے نفع کے واسطے ہر سو برس پر ایک شخص بھیجتا ہے، جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔

استاذ المحدثین، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ نے "نفحاتُ التنقیح" میں ملا علی قاریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: "میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ مجدد ہونا کسی متعین شخص یا متعین مکان کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ اس سے مراد ہر زمانے کی وہ جماعت بھی ہوسکتی ہے جو مختلف مقامات میں مختلف دینی شعبوں اور دینی فنون کی تجدید کرتی ہے، تقریر سے ہو یا تحریر سے، جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ دین کی بقاء اور احیاء سنت کا سبب بنا دیتا ہے"۔

تجدید دین اور علماء دیوبند

اسلام کی چودھویں صدی میں اللہ رب العزت نے اکابر دیوبند اور ان کے فیض یافتگان کی جماعت کو طائفۂ منصورہ بنا کر غلو کرنے والوں کی تحریف، جھوٹوں کی من گھڑت باتوں، جاہلوں کی باطل تاویل سے دینِ اسلام کی حفاظت اور اس کے مختلف شعبوں میں تجدیدی کارناموں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

یہی وہ جماعت ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "مَا أنا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" کا حقیقی مصداق ہے، جس نے اپنے سلف صالحین کی طرح اس آخری زمانے میں ایسے افراد پیدا کیے، جن کی زندگی اظہارِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے وقف رہی ہے، نامساعد حالات، الحاد و بے دینی کی تیز و تند لہریں، اپنوں اور بے گانوں کی مخالفتیں انھیں ایک انچ بھی جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا سکیں۔

علماء دیوبند کا اسنادی سلسلہ

اہلِ حق کی اس مقدس جماعت نے اپنے ہر عقیدے اور عمل کی سند اپنے سلف صالحین سے لی ہے،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے شروع ہوکر یہ اسنادی سلسلہ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے خاندان میں جمع ہوگیا ہے، اکابر دیوبند خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ سند اور فیض وفکر کو اس مقدس ادارہ یعنی دارالعلوم دیوبند کے ذریعے عالم گیر بنادیا ہے۔

دیوبندیت کیا ہے؟

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تسلسل سند وفکر کے بارے میں فرمایا:

"دیوبندیت کوئی مذہب یا فرقہ نہیں، معاندین اسے ایک مذہب یا فرقہ کا نام دے کر عوام کو اشتعال دلانے کی کوشش کرتے ہیں؛ بلکہ مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک جامع مرقع اور مکمل ایڈیشن ہے، جس میں اہلِ سنت کی ساری شاخیں اپنی اصل سے جڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس دیوبندیت کے بارے میں کیا خوب جملہ استعمال فرمایا تھا، جوانھیں کو زیب دیتا تھا، جب ان سے کسی نے پوچھا کہ دیوبندی کیا چیز ہے؟ یہ کوئی مذہب ہے یا فرقہ؟ تو فرمایا کہ نہ مذہب ہے نہ فرقہ؛ بلکہ ہر معقول پسند دین دار کا نام دیوبندی ہے۔ فللّٰہِ دَرُّ ما قال"۔

علماء دیوبند کا دینی اور فکری مسلک

علماء دیوبند کا دینی اور فکری مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا جامع، معتدل اور ہمہ گیر مسلک ہے، جس میں اصولِ دین یعنی کتاب وسنت کی عظمت، شخصیاتِ دین یعنی فقہاء، مجتہدین، محدثین، مفسرین، متکلمین، اصولیین، صوفیاء اور علماء ربانیین کا احترام، سنت اور جماعت دونوں کا حسین اجتماع ہے، ورنہ ان دوگانہ اصولوں سے ہٹ کر اختراع اور تجدد پسندی کی وجہ سے بدعات ومحدثات کی بھرمار ہے اور رجالِ دین سے بداعتماد ہوکر خود پسندی کی بنیاد پر کبر ونخوت کے بت تراشے گئے ہیں۔

مسلک اعتدال

اسی مسلک اعتدال کی وجہ سے علماء دیوبند دینی بے قیدی اور خودرائی سے بھی محفوظ رہے، شرک وبدعت کے اندھیرے بھی انھیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے، ان کے اعمال وافکار سے اسلام کا تسلسل بھی قائم رہا اور کوئی غیر مسلسل نظریہ دین کے نام سے اسلام میں داخل بھی نہ ہونے پایا، یہ حضرات اپنے علم وعمل کے تسلسل سے اسلام کے چراغ روشن کرتے گئے، تاریخِ دیوبند پر نظر کرتے ہوئے ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام واقعی ایک زندہ وجاوید دین ہے، جو ان حضرات سے لے کر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہدِ سعادت تک مسلسل ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض

دارالعلوم دیوبند وہ ادارہ ہے جس سے فیض پا کر ہزاروں علماء، محدثین، فقہاء، مفسرین، متکلمین، صوفیاء، مصنّفین، محققین، داعیانِ دین متین، مجاہدینِ حریت اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں مختلف النوع تجدیدی کارنامے انجام دیے، جن سے عالمِ اسلام رہتی دنیا تک مستفید ہوتا رہے گا۔

دارالعلوم دیوبند کے بارے میں مشاہیر عالم کی آراء

اس موقع پر میں ان چند مشاہیرِ عالم کی آراء کو ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے دیوبند کی عظمت کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

سید رشید رضا مصری کی رائے: علامہ سید رشید رضا مصری نے کہا: اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے بہت غمگین واپس جاتا، ایک دوسرے موقع پر کہا کہ میں نے مدرسۂ دیوبند جسے "ازہر ہند" کا خطاب دیا جاتا ہے، ایک جدید علمی رجحان میں ترقی کرتے دیکھا، ہندوستان بھر میں میری آنکھوں کو ایسی ٹھنڈک کہیں حاصل نہیں ہوئی جیسی کہ مدرسۂ دیوبند میں حاصل ہوئی اور نہ اتنی خوشی حاصل ہوئی جتنی وہاں، اس کی وجہ صرف وہ غیرت واخلاص ہے جو میں نے اس مدرسہ کے علماء میں دیکھا۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریۂ ہند کی رائے: ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریۂ ہند نے کہا کہ آپ کے دارالعلوم نے صرف اس ملک میں بسنے والوں ہی کی خدمت نہیں کی؛ بلکہ آپ نے اپنی خدمات سے اتنی شہرت حاصل کرلی ہے کہ غیر ممالک کے طلبا بھی آپ کے یہاں آتے ہیں اور یہاں سے تعلیم پا کر جو کچھ انہوں نے یہاں سیکھا ہے، اپنے ممالک میں اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ بات اس ملک کے باشندوں کے لیے قابلِ فخر ہے، دارالعلوم دیوبند کے بزرگ علم کو علم کے لیے پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہیں، ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں؛ مگر کم، ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوا کرتی تھی، آج دارالعلوم کے بزرگ اسی طرز پر چل رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف دارالعلوم یا مسلمانوں ہی کی خدمت نہیں؛ بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے، آج دنیا میں مادیت کے فروغ سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور دلوں کا اطمینان اور چین مفقود ہے، اس کا صحیح علاج روحانیت ہے، میں دیکھتا ہوں کہ سکون واطمینان کا وہ سامان یہاں کے بزرگ دنیا کے لیے مہیا فرما رہے ہیں، اگر خدا کو اس دنیا کو رکھنا منظور ہے تو دنیا کو بالآخر اسی لائن پر آنا ہے۔

پروفیسر ڈی جولیس جرمینس کی رائے: ڈی جولیس جرمینس پروفیسر بوڈاپیسٹ یونیورسٹی ہنگری نے کہا کہ میں نے خود اپنے ملک میں دیوبند کے مدرسہ کے بارے میں سنا، مجھے ہمیشہ سے شوق تھا کہ علوم واسلامی اسپرٹ

(روح) کے اس قلعہ کو دیکھوں، مجھے عربی اور تعلیمات اسلامی کی اس گہرائی اور جدوجہد کو دیکھ کر اور بھی زیادہ حیرت ہوئی، جو اس مدرسہ کے در و دیوار میں دائر وسائر ہے۔

عصرِ حاضر میں اہلِ حق کی ترجمانی

جدوجہدِ آزادی سے لے کر اس خطہ؛ بلکہ تمام اطرافِ عالم میں شرک و بدعات کا خاتمہ، قرآن وسنت کی صحیح اور حقیقی تشریح اور ترویج واشاعت تک ان تمام مراحل میں فضلاء دیوبند کا بھرپور کردار رہے اور آج بھی اہلِ حق کی ترجمانی کا فریضہ علماء دیوبند ہی کے فیض یافتہ رجال انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالی ہمیں حق کو حق سمجھ کر اس کی اتباع کرنے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

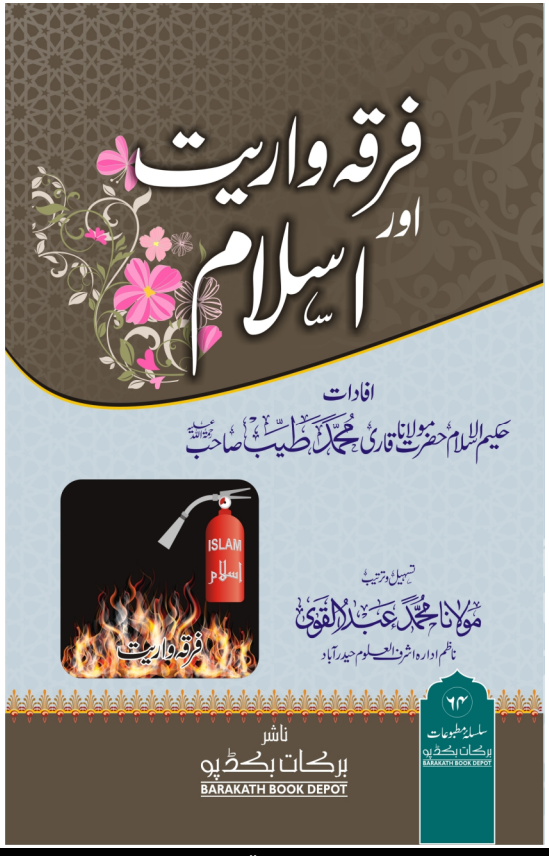

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا آج سے ۷۰ برس قبل لکھا ہوا مضمون؛ جس میں دور حاضر میں فرقہ واریت کی بھڑکتی آگ کو بجھانے کا حل بتایا گیا ہے، جسے حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ نے آسان اور شستہ اردو زبان میں منتقل فرمادیا ہے۔

مسلک علماء دیوبند

از: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ
تلخیص: مولانا سید نذیر احمد صاحب قاسمی*

علماءِ دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے لحاظ سے کلیۃً اہل سنت والجماعت ہیں اور اہل سنت کا بھی اصل حصہ ہیں ہندوستان میں یہ سلسلہ قوت کے ساتھ اجتماعی رنگ میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ سے زیادہ پھیلا اور چمکا اس سلسلہ کی وہ کڑی جو آج ہندوستان میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کی ترجمان اور رواں دواں ہے علمائے دیوبند ہیں، جنہوں نے تعلیم وتربیت کے ذریعہ اس سلسلہ کو مشرق سے مغرب تک پہنچایا اور پھیلایا۔

مسلک دِیوبند کوئی جدید فرقہ نہیں!

علماءِ دیوبند صرف اہل سنت والجماعت کے اصول وقوانین ہی کے از اول تا آخر پابند رہے ہیں بلکہ ان کے متوارث ذوق کو بھی انہوں نے تھاما اور محفوظ کیا ہے پھر وہ خودرَو قسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر ان کا استناد اور سندی سلسلہ ملا ہوا ہے اس لئے مسلک کے لحاظ سے نہ وہ کوئی جدید فرقہ ہیں اور نہ بعد کی پیداوار ہیں بلکہ وہی قدیم اہل سنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جو اوپر سے تسلسل اور استمرار اور سندِ متصل کے ساتھ کابر اًعن کابرٍ چلا آرہا ہے وقت کے عوامل اور افراط وتفریط نے چونکہ اہل سنت میں مختلف شاخیں پیدا کردیں اور ہر نئی شاخ نے اصل ہونے کا دعویٰ کیا جو دعوے کی حد تک نہ رہا بلکہ اپنے وجود وبقاء کیلئے ہر شاخ نے اصل طبقہ کے خلاف محاذ بنا کر اسے غیر اصل اور اپنے کو اصل ثابت کرنے کی جدوجہد کا آغاز بھی کردیا جیسا کہ اصل سے کٹی ہوئی شاخوں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے اس لئے حقیقی اصل عوام کی نگاہوں میں مشتبہ ہونے لگی اور بہت سے سوالات اٹھنے لگے مگر اصل بہرحال اصل ہی ہوتی ہے اور معیار پر کسنے کے بعد اس کی اصلیت پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حضور ﷺ ہی تعلق مع اللہ کی ساری نسبتوں کے جامع

اہل السنۃ والجماعۃ کے اس اصل طبقے یا علمائے دیوبند کے اس جامع ومعتدل ترین مسلک جس میں

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

افراط ہے نہ تفریط نہ غلو ہے نہ مبالغہ بلکہ کمالِ اعتدال اور جامعیت کا جوہر پیوست ہے وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام منتسب شعبوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب تمام ذواتِ قدسیہ کے تعلق کو اپنے مسلک کا رکن بنایا اور انہی کی روشنی میں آگے بڑھتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تعلق مع اللہ کی ساری نسبتوں کے جامع اور فردِ اکمل ہیں۔

اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو شریعت کے تمام علمی و عملی شعبے اور نہ صرف علمی اور شرعی شعبے بلکہ دین کی ساری حجتیں جن سے یہ شعبے اور خود شریعت بنتی ہے وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے مختلف الانواع نسبتوں کے ثمرات و آثار ہیں مثلاً آپ کی نسبت اسلامی سے عملی احکام کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام ''فقہ'' ہے آپ کی نسبتِ ایمانی سے عقائد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا فنی نام ''کلام'' ہے آپ کی نسبتِ احسانی سے تزکیۂ نفس اور تکمیلِ اخلاق کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام ''تصوف'' ہے۔

اہلِ السنۃ والجماعۃ اور مسلکِ دیوبند کے عناصرِ ترکیبی

غرض دین کے شعبے ہوں یا حجتیں سب سنتِ نبوی کی مختلف نسبتوں سے پیدا شدہ ہیں جن کے اصطلاحی نام بعد میں رکھ لئے گئے جب کہ ان کو اور ان کے قواعد وضوابط کو سنتِ نبوی سے اخذ کر کے فنون کی صورت دے دی گئی مگر ان کی حقیقتیں قدیم اور پہلے ہی ذاتِ نبوی سے وابستہ تھیں اس لئے یہ سارے دین کے شعبے فقہ، تصوف، حدیث، تفسیر، روایت، درایت حقائق، اصول، حکمت، کلام اور سیاست وغیرہ سنت کے اجزاء ثابت ہوئے جن کو علمائے دیوبند نے جوں کا توں لے کر اپنے مسلک کا رکن بنالیا اور اس مسلک کے عناصرِ ترکیبی قرار پائے پھر انہی شعبوں کی تحقیقات اور خصوصی مہارت وحذاقت سے اسلام میں خاص خاص طبقات پیدا ہوئے جو اپنے اپنے فن کے مناسب ناموں سے موسوم ہوئے جیسے متکلمین، فقہاء، صوفیاء، محدثین، مجتہدین، اصولیین، عرفاء، حکماء اور خلفاء وغیرہ۔

پس جیسے علمائے دیوبند کا رجوع ان شعبوں کی طرف یکساں ہے کہ یہ تمام شعبے یکسانیت کے ساتھ ذاتِ بابرکت نبوی سے انتساب رکھتے ہیں ایسے ہی ان شعبوں کی مقدس شخصیتوں کی طرف رجوع اور ان کا ادب واحترام یکساں ہے جب کہ ان میں سے ہر شخصیت کسی نہ کسی جہت سے ذاتِ نبوت سے وابستہ اور ظلالِ نبوت میں سے ہے۔

جیسا کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں ہر رنگ اور ہر طبقے کے افراد جمع تھے اور ایک دوسرے کی عظمت، ومحبت اور ادب واحترام میں بھی انتہائی مقام پر تھے اس لئے امت کے اہلِ علم وفضل افراد میں افضل ترین اور مقبول

ترین ذوات اور اعلیٰ ترین طبقات وہی سمجھے گئے ہیں جن میں ان تمام شعبہائے دین کے اجتماع سے جامعیت کی شان پیدا ہوگئی ہو اور وہ بہ یک وقت قرآن وحدیث فقہ واصول، تصوف، کلام، روایت، درایت، پھر راہِ عمل کے اخلاق میں فقر وامارت، زہد ومدنیت، عبادت وخدمت، خلوت پسندی وجلوت آرائی، بوریہ نشینی وحکمرانی کے ملے جلے احوال وکیفیات سے سرفراز ہوئے ہوں۔

مسلکِ علمائے دیوبند کا مزاج

مسلک علمائے دیوبند محض اصول پسندی کا نام ہے نہ شخصیت پرستی کا نہ ان کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لئے تنہا لٹریچر کافی ہے نہ تنہا شخصیت، نہ تنہا مطالعہ، نہ اپنا ذاتی ذہن غور وفکر کے لئے کافی ہے بالفاظِ مختصر لٹریچر بشرطِ معیت وملازمتِ صدیقین سے اس مسلک کا مزاج بنا جس میں کسی ایک کے احترام سے قطع نظر جائز نہیں اور جب کہ جامعیت واعتدال اور احتیاط ومیانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی اصول میں قرآن وحدیث سے لے کر فقہ وکلام اور تصوف واصول وغیرہ کی چھوٹی سے چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت واعتدال کے ساتھ اسے مشعلِ راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے۔ ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ائمہ، صلحاء، مشائخ صوفیاء اور حکماء کی ذواتِ قدسیہ تک کے بارے میں افراط وتفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت متابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے۔

عقیدۂ توحید اور مسلک علمائے دیوبند کا نقطۂ اعتدال

اس مسلک میں اصل چیز توحیدِ خداوندی پر زور دینا ہے جس کے ساتھ شرک یا موجباتِ شرک جمع نہ ہوسکیں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔ لیکن ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور توقیر اہل فضل وکمال کو اس کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں پس تعظیم اس حد تک کہ توحید مجروح نہ ہو اور توحید اس درجہ تک کہ تعظیم اہل دل متاثر نہ ہو یہی نقطۂ اعتدال ہے جو مسلک علمائے دیوبند ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے بارے میں دیوبند کا مسلک

حضرات انبیاء کرام کے بارے میں نہ تو ان کا مسلک غلو زدہ اور بے بصیرت طبقوں کی طرح ہے کہ خدا اور انبیاء میں کوئی فرق نہیں صرف ذاتی اور عرضی کا فرق ہے (معاذ اللہ) یا خدا ان میں حلول کئے ہوئے ہیں اور وہ ایک محض پردۂ مجاز ہیں جن میں ربانی حقیقت سمائی ہوئی ہے گویا وہ خدا کے اوتار ہیں یا وہ بشر کی عام نوع سے الگ مافوق الفطرت کوئی اور مخلوق ہیں جن میں نوعِ بشری کی مماثلت نہیں بلکہ انبیاء کرام کے بارے میں علمائے دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وہ بشر بھی ہیں نوعِ بشر سے الگ ان کی کوئی نوع نہیں اس لئے جہاں ان کی

بے ادبی کفر ہے اور عظمت عین ایمان ہے وہیں اس عظمت میں شرک کی آمیزش بھی کفر سے بڑھ کر کفر ہے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی علمائے دیوبند کا مسلک وہی نقطۂ اعتدال اور میانہ روی ہے جو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی پیدا کردہ ہے چنانچہ علمائے دیوبند بصدقِ قلب سید الکونین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افضل الکائنات، افضل البشر اور افضل الانبیاء یقین کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ آپ کی بشریت کا اقرار کرتے ہیں غلوئے عقیدت و محبت میں نفی بشریت یا ادعاءِ اوتار یا پردۂ مجاز وغیرہ کہنے کی جرأت نہیں کرتے وہ آپ کی ذاتِ بابرکت کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام کمالاتی خصوصیات، خلت، اصطفائیت، کلمیت، روحیت، صادقیت، مخلصیت، صدیقیت وغیرہا کا جامع بلکہ مبداء نبوت انبیاء اور منشاء ولایت اولیاء سمجھتے ہیں وہ آپ کی اطاعتِ مطلقہ کو فرض عین جانتے ہیں لیکن آپ کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے وہ آپ کو ساری کائنات میں فردِ اکمل اور بے نظیر جانتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خصوصیاتِ الوہیت تسلیم نہیں کرتے اور اس میں ذاتی اور عرضی کا فرق معتبر نہیں سمجھتے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک اور مدح وثناء کو عین عبادت سمجھتے ہیں لیکن اس میں عیسائیوں جیسے مبالغے جائز نہیں سمجھتے کہ حدودِ بشریت کو حدودِ الوہیت سے جا ملائیں وہ برزخ میں آپ کی جسمانی حیات کے قائل ہیں لیکن وہاں معاشرتِ دنیوی کے قائل نہیں وہ اس کے اقراری ہیں کہ آج بھی امت کے ایمان کا تحفظ گنبدِ خضراء ہی کے منبع ایمانی سے ہو رہا ہے لیکن پھر بھی وہ آپ کو حاضر و ناظر نہیں جانتے جو کہ خصوصیتِ الوہیت میں سے ہے وہ آپ کے علمِ عظیم کو ساری کائنات کے علم سے خواہ ملائکہ ہوں یا انبیاء یا اولیاء بہت زیادہ اور بڑھ کر جانتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے ذاتی اور محیط ہونے کے قائل نہیں۔

غرض تمام ظاہری و باطنی کمالات میں آپ کو ساری مخلوقات میں بلحاظِ کمال و جمال یکتا بے نظیر اور بے مثال سمجھتے ہیں لیکن خالق کے کمالات سے ان کمالات کی وہی نسبت مانتے ہیں جو مخلوق سے ہو سکتی ہے خالق کی ذات وصفات اور کمالات سب لامحدود ہیں اور مخلوق کی ذات وصفات اور کمالات سب محدود ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں علمائے دیوبند کا مسلک

خدا اور رسول نے من حیث الطبقہ اگر کسی گروہ کی تقدیس بیان کی ہے تو وہ صرف صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے ان کے سوا کسی طبقہ کو من حیث الطبقہ مقدس نہیں فرمایا کہ کسی طبقہ کی تقدیس کی ہو مگر اس پورے کے پورے طبقہ کو راشد و مرشد، راضی و مرضی، تقی القلب، پاک باطن، مستمر الطاعت، محسن و صادق اور موعود بالجنۃ فرمایا پھر ان کی عمومی مقبولیت و شہرت کو کسی خاص قرن اور دور کے ساتھ مخصوص اور محدود نہیں رکھا بلکہ عمومی بتلایا۔

علمائے دیوبند نے اپنے اس مسلک میں بھی رشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی گوشہ سے بھی

افراط وتفریط اور غلو کو آنے نہیں دیا ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام شرفِ صحابیت اور صحابیت کی بزرگی میں یکساں ہیں اس لئے محبت وعظمت میں بھی یکساں ہیں۔ البتہ باہم فرقِ مراتب بھی ہے، لیکن یہ فرق چونکہ نفسِ صحابیت کا فرق نہیں اس لئے اس سے نفسِ صحابیت کی محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا۔

اسی طرح علمائے دیوبند ان کی عظمت وجلال کی وجہ سے انھیں بلا استثناء نجوم ہدایت مانتے ہیں اور یہ کہ بعد والوں کی نجات انہی کے علمی وعملی اتباع کے دائرہ میں محدود ہے لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حقِ تشریع ان کے لئے ماننے لگیں۔

صحابہ کرامؓ پر تنقید اور مشاجراتِ صحابہؓ میں مسلکِ دیوبند

چونکہ ان مقدسین میں کمالِ زہد وتقویٰ اور کمالِ فراست وبصیرت کی وجہ سے جذباتِ معصیت مضمحل اور دواعیٔ طاعت مستقل تھے، معصیت سے وہ ہمہ وقت بیگانہ تھے اور طاعتِ حق میں یگانہ ایمان وتقویٰ ان کے قلوب میں مزین اور کفر وفسوق ان کے باطن میں مبغوض تر تھا یہی وجہ ہیکہ علمائے دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارے میں قابلِ تنقید وتبصرہ نہیں سمجھتے، ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء وصواب کا تقابل ہے، حق وباطل یا طاعت ومعصیت کا نہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کا باہمی معاملات میں (جو کہ نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) حسبِ مسلکِ علمائے دیوبند نہ بدگمانی جائز ہے نہ بدزبانی یہ توحید کا مقام ہے نہ تنقید کا "تلک دماء طھّر اللہ عنھا ایدینا فلانلوّث بھا السنتنا" (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے شخصیتوں کے عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطاء کو خطاء پھر خطاء کا وہ علمی عذر بھی پیش نظر رکھا جو ایک اچھی اور مقدس شخصیت کی خطاء میں پنہاں ہوتا ہے نیز اس خطاء پر اس کی ساری زندگی کو خاطئا نہ قرار دینے کی غلطی نہیں کی۔

تصوف اور علمائے دیوبند

اولیائے کرام، صوفیائے عظام کا طبقہ مسلکِ علمائے دیوبند کی رو سے امت کے لئے روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اہلِ حیات ہے اس لئے علمائے دیوبند ان کی محبت وعظمت کو ایمان کے تحفظ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کے ساتھ اس محبت وعظمت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے ان کی تعظیم شرعاً ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے معنیٰ عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کے قبروں کو سجدہ ورکوع اور طواف ونذر یا منت یا قربانی کا محل بنالیا جائے وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اور فیض حاصل

کرنے کے قائل ہیں، لیکن انہیں مشکل کشا، حاجت روا، دافع البلاء والوباء نہیں سمجھتے کہ وہ صرف شانِ کبریائی ہے

مروجہ رسوم، ایصالِ ثواب اور مسلکِ دیوبند

وہ رسومِ شادی وغم کو اسوۂ حسنہ اور سلفِ صالحین کے سادہ اور بے تکلف طریقِ عمل میں محدود رکھنا چاہتے ہیں اغیار کی نقالی یا تشبہ کو قابلِ رد سمجھتے ہیں، غمی کے رسموں، تیجہ، دسواں، چہلم اور برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں، اس لئے سختی سے روکتے ہیں، اور شادی کی مروجہ رسوم کو خلافِ سنت جانتے ہیں اس لئے انہیں رد بھی کرتے ہیں۔

وہ ایصالِ ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی مخصوص صورتیں بنانے کے قائل نہیں، جنہیں مخصوص اصطلاحات نیاز، فاتحہ وغیرہ کے وضع کردہ عنوانات سے یاد کیا جاتا ہے۔

تکمیلِ اخلاق تزکیۂ نفس اور شریعت وطریقت سے متعلق مسلکِ دیوبند

وہ تکمیلِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے لئے حسبِ سلاسلِ طریقت مشائخ کی بیعت وصحبت کو حق اور طریقت کے اصول وہدایات کی پابندی تجربۃً مفید اور ضروری سمجھتے ہیں، لیکن طریقت کو شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہو بلکہ شریعت ہی کے باطنی اور اخلاقی حصہ کو طریقت کہتے ہیں جو اصلاحِ قلب کا راستہ ہے اور جسے شریعت نے احسان کہا ہے اس لئے کہ اس اصول کو کتاب وسنت ہی سے ثابت شدہ جانتے ہیں مگر اس لائن کی بے اصولی یا خلافِ اصول یا من گھڑت رواجی رسوم کو طریقت نہیں سمجھتے اور ان کے اختیار کرنے کو خلافِ سنت سمجھ کر قابلِ رد سمجھتے ہیں۔

فقہ اور فقہاء سے متعلق مسلکِ دیوبند

فقہ اور فقہاء کے سلسلہ میں بھی علمائے دیوبند کا مسلک وہی جامعیت اور جوہر اعتدال لئے ہوئے ہے جو اولیاء، علماء کے بارے میں انہوں نے اپنے سامنے رکھا جس کا خلاصہ بطور اصول یہ ہے کہ وہ دین کے بارے میں آزادیٔ نفس سے بچنے دینی بے قیدی اور خود رائے سے دور رہنے اور دین کو تشتت اور پراگندگی سے بچانے کے لئے اجتہادی مسائل میں فقہ معین کی پابندی اور ایک ہی امام مجتہد کے مذہب کے دائرے میں محدود رہنا ضروری سمجھتے ہیں اس لئے وہ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت فقہیات میں حنفی المذہب ہے لیکن اس سلسلہ تقلید اور اتباع میں بھی اعتدال وجامعیت کی روح سرایت کئے ہوئے ہے جس میں افراط وتفریط کا وجود نہیں نہ تو ان کے یہاں یہ آزادی ہے کہ وہ سلف کے قائم کردہ اصولِ تفقہ اور ان سے استنباط کردہ مسائل ہی کے قائل نہ ہوں اور ہر قدم پر اور ہر زمانہ میں ایک نیا فرقہ مرتب کرنے کے خبط میں گرفتار ہوں یا بالفاظِ دیگر اپنے فہم ورائے کی قطعیت کے توہّم میں اجتہادِ مطلق کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوں اور نہ اس کے برعکس فقہیات میں ایسے جمود اور

بے شعوری کے قائل ہیں کہ ان کے فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق یا ان کے مآخذوں کا پتہ چلانے کے لئے کتاب وسنت کی طرف مراجعت کرنا بھی گناہ تصور کرنے لگیں اور ان فقہی استنباطوں کا رشتہ بھی قرآن وحدیث سے جوڑنا اور ان کی مزید حجتیں اپنی وسعتِ علم سے نکال لانا بھی خودرائے اور آزادیٔ نفس کے مترادف باور کریں۔

پس وہ بلاشبہ مقلد اور فقہِ معین کے پابند ہیں مگر اس تقلید میں بھی محقق ہیں جامد نہیں تقلید ضرور ہے مگر کورانہ نہیں، پس ایک طرف تو وہ خودرائے اور آزادیٔ نفس سے بچنے کی خاطر نصوصِ کتاب وسنت کو بنیاد مانتے ہیں اقوالِ سلف اور ذوقِ سلف تک کا پابند رہنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسری طرف بے بصیرتی اور کورذہنی سے بچنے کی خاطر اصولِ افتاء اور فتاویٰ کو ان کے اصل مآخذوں سے نکلتا ہوا دیکھنے سے بھی بے تعلق رہنا نہیں چاہتے۔ غرض نہ تو وہ مجتہدین فی الدین کے بعد اجتہادِ مطلق کے قائل ہیں اور نہ ہی جنسِ اجتہاد کی کلی نفی کر کے فتاویٰ کے حقائق وعلل کے استخراج اور ان کے مؤیدات کے استنباط سے گریزاں ہیں بلکہ تقلید کے ساتھ تحقیق کا ملا جلا رنگ لئے ہوئے ہے۔

حدیث اور محدثین سے متعلق مسلکِ دیوبند

حدیث کے سلسلہ میں بھی علمائے دیوبند کا مسلک نکھرا ہوا اور صاف ہے اور اس میں وہی جامعیت اور اعتدال کا عنصر غالب ہے جو دوسرے مقاصدِ دین میں ہے بنیادی بات یہ ہیکہ وہ حدیث کو چونکہ قرآن کا بیان اور دوسرے درجہ میں مصدرِ شریعت سمجھتے ہیں اس لئے کسی ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے بشرطیکہ وہ قابلِ احتجاج ہو حتیٰ کہ متعارض روایات کے سلسلہ میں بھی ان کی سب سے پہلے سعی اخذ وترک کے بجائے تطبیق وتوفیق اور جمع بین الروایات کی ہوتی ہے تاکہ ہر حدیث کسی نہ کسی طرح عمل میں آجائے متروک نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک سلسلہ روایات میں اِعمال اولیٰ ہے اِہمال سے۔

فہمِ مراداتِ ربانی اور تعینِ مراداتِ نبوی ﷺ کی اصل

علمائے دیوبند کا مسلک فہمِ مراداتِ ربانی اور تعینِ مراداتِ نبوی میں کیا ہے اور وہ کن اصول سے یہ متعین کرتے ہیں کہ فلاں آیت اور فلاں روایت سے اللہ اور رسولؐ نے فلاں مطلب کا ارادہ کیا ہے کیونکہ فہمِ مراد کے سلسلہ میں جب کہ مختلف مذاق اور طریقہ پیدا ہو گئے ہیں جن میں اصل اور حقیقی طریقہ ملکر فی زمانہ کچھ غیر متعارف بلکہ ناقابلِ توجہ ہو گیا ہے۔

علمائے دیوبند کے مسلک پر ہر فہمِ مراد کا طریقہ نہ خودرائے ہے نہ ادبیت ہے نہ رسم ورواج ہے نہ افسانہ وحکایات ہے اور نہ نظریاتِ زمانہ ہے بلکہ تعلیم وتربیت ہے جس کے وہی دو بنیادی رکن ہیں ایک کتاب وسنت

اور ایک روشن ضمیر مربی واستاد اور اس کے ساتھ دو شرطیں۔ ایک استاد اور ایک تربیت یافتہ ذہنیت۔

متوارث ذوق کیا ہے؟ کیوں ضروری ہے؟

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہؓ نے اور صحابہؓ سے تابعینؒ نے تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے اور پھر ان سے قرون مابعد نے سلسلہ بہ سلسلہ کابراً عن کابرٍ اساتذہ کے ساتھ کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی اور فہم قرآن وحدیث میں ان کی تربیت سے وہ متوارث ذوق حاصل کیا جو اوپر والوں کا تھا اور وہی سلف سے خلف تک توارث کے ساتھ آج تک منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور اس ذوق اور تیار کردہ ذہن میں وہ منقولہ مرادیں جو اللہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک، رسول سے صحابہ تک، صحابہ سے تابعین تک، تابعین سے تبعِ تابعین تک اس کے بعد سے آج کے دور تک سند کے ساتھ آئیں کیونکہ کلام کی بہت سی خصوصیات لب ولہجہ طرز وادا اور طریق تکلم اور ہیئتِ متکلم سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیاتِ کلام اور ہیئتیں کاغذ پر مرتسم نہیں ہوسکتیں پھر مراد کی تعیین میں اوپر والوں کا طرزِ عمل اور نمونۂ عمل بھی کافی اور دخیل ہے ظاہر ہیکہ عمل کا یہ نقشہ بھی کاغذ اور کالے نقوش میں نہیں سما سکتا مزید یہ کہ دلوں میں ایمانی حرارت کی کیفیات اور عشق ومحبت کے جذبات جو اپنے جذب وکشش سے اتباعِ حق پر ابھارتے ہیں دلوں سے ہی دلوں میں آسکتے ہیں کاغذ اور سیاہ حروف کے راستہ یا کسی اور طریقہ سے منتقل نہیں ہوسکتے اور جب کہ ان سب چیزوں کو تعینِ مراد میں عظیم دخل بلکہ فہمِ مراد ان پر موقوف ہے اور ان کا تعلق صرف صاحبِ ذوق اور صاحبِ عمل اور صاحبِ طرز شخصیتوں سے ہے کاغذ سے نہیں۔

کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کی ضرورت

اس لئے جو طبقہ ان سارے شخصیاتی موثرات سے کٹ کر محض کاغذ اور لٹریچر کا ہو رہا ہے وہ صرف اپنے ہی نا تربیت یافتہ نفس اور اپنے ہی خودرَو ذہن کے آزاد تخیلات اور مجرد رائے سے مراداتِ خداوندی کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ یہ خود اس کا اپنا مفہوم اور خود اس کی اپنی ہی مراد ہوگی خدا کی مراد نہیں ہوسکتی اس لئے یہ فہمِ مراد نہ ہوگا بلکہ وہمِ مراد ہوگا اسی لئے جیسا کہ علمائے دیوبند کا اصل مسلک قانون اور شخصیت سے مرکب تھا ایسے ہی ان کا تفہمی مسلک اور فہمِ مراد کا راستہ بھی انہی دو چیزوں سے ہے کتاب اور استاذ اور ان کے ساتھ استناد اور تربیتِ ذہن وذوق وہ کتاب سے دین کی متعینہ تعبیر لیتے ہیں اور شخصیتوں سے ان تعبیروں کے معانی ومرادات اخذ کرتے ہیں استناد سے ان کا رابطہ ذاتِ نبوی سے قائم کرتے ہیں اور تربیت سے ذہن کو زیغ سے بچا کر اخذِ مراد کی استقامت پیدا کرتے ہیں ان میں سے جو رکن بھی گر جائے گا فہمِ مراد کی عمارت میں اتنا نقص اور کھوٹ پیدا ہوجائے گا جس سے وہ غیر معتبر ٹھہر جائے گا۔

تعلیم ہی اصل اصول

بہر حال دار العلوم کا یہ مسلک جامع معتدل اور ہمہ گیر ہے اور اس کے لئے اصل اصول تعلیم کو رکھا ہے کیونکہ دین کا ہر شعبہ علم سے ہی وجود پذیر ہوتا ہے جہل سے نہیں تبلیغ یا تصنیف، تمکین ہو یا سیاست، تصوف ہو یا ریاضت، یہ سب علم کی فروعات ہیں جو علم ہی سے وجود پذیر ہوتی ہیں علم نہ ہو تو جہالت کے ساتھ یا ان کا وجود ہی نہیں ہوسکتا یا اگر ہوگا تو فتنہ بنے گا۔ سیاست علم سے کٹ جائے تو پرویزی و چنگیزی، خطابت علم سے کٹ جائے تو پیشہ ورانہ وعظ گوئی ہے، تبلیغ کی پشت پر علم نہ ہو تو رسمی تحریک اور رواجی تنظیم ہے جو علم کے لئے مہلک ہے، تصوف کے ساتھ علم نہ ہو تو رہبانیت اور زندقہ ہے، بحث و مناظرہ کے پیچھے علم نہ ہو تو گروہی جھڑپ اور دھڑہ بندی ہے السنۂ غیر کی پشت پر علمی مقاصد نہ ہو تو محض فنی ریسرچ یا غرض مندی ہے جس سے دین بر پا نہیں ہوسکتا بلکہ تلبیس کا فتنہ پھیل سکتا ہے غرض یہ تمام شعبے علم کی فروعات ہیں اور علم کے بغیر فتنے ہیں البتہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے بغیر علم بھی طاقتور نہیں ہوسکتا اس کی قوت، وسعتِ زینت اور تاثیر و تصرف انہی شعبوں پر موقوف ہے اگر یہ نہ ہو تو علم کا بقاء و استحکام مشکل ہے علم کی زیادتی تو بعد کی بات ہے پس یہ شعبے تو علم کے بغیر وجود نہیں پا سکتے اور علم ان کے بغیر بقا نہیں پا سکتا دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں مگر اصل اصول علم ہے اور اس کے فروعی مقاصد یہ شعبے ہیں اس لئے مسلکِ علمائے دیو بند میں تعلیم کو جو اہمیت حاصل ہے وہ مستقلاً کسی دوسرے شعبہ کو حاصل نہیں۔

مسلک کا عملی نقشہ شخصی کیوں نہیں؟

مسلک کے اس عملی نقشہ کو ادارہ کی بنیادوں میں لپیٹ کر پیش کیا گیا اور اس کا نام بھی نہیں لیا گیا کہ وہ کوئی نقشہ پیش کیا جا رہا ہے بلکہ اداری عمل کی لائنوں سے ذہنوں میں جماتے رہے اور عمل کرتے رہے اس لئے افراد بدلتے گئے مگر نقشہ قائم رہا اور ان اسلاف کے بعد بھی ان کے اخلافِ رشید نے مسلک کے اسی نقشہ کے مطابق جدوجہد جاری رکھی جس سے دار العلوم کے راستے تعلیم و تدریس کے عموم کے ساتھ ساتھ کم و بیش یہ تمام شعبے اور عملی نقشے جاری رہے اور ان کے چلانے والے علماء کی پیداوار بھی بدستور جاری رہی جس سے اس ادارہ کے مسلک کے تحت اس کے مخلص محافظ ہزار ہا علماء، محدث فقیہ، متکلم، خطیب، واعظ، مناظر، مفتی، قاضی، صوفی، سیاسی اور محقق پیدا ہوئے اور بیرونِ ہند میں پھیل کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا۔

اس جامع مسلک کے عناصر ترکیبی

تو علمائے دیو بند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریقۂ عمل ہے جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس

میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا جس سے چند بندھے جڑے مسائل یا خاص خاص فنون یا عملی گوشوں کو لے کر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا اس کا مسلک نہیں بلکہ اس میں تعلیم، تبلیغ، تصنیف، سلوک، تذکیر، اصلاح، اجتماعیت اور جمعیت اور ساتھ ہی تعلیمی سلسلہ دین کے تمام علمی شعبے کلام، فقہ، تصوف، حدیث، تفسیر اصول اور حکمت وغیرہ پھر اندازِ فکر میں دین کی ایک ایک جزئی پر تصلب اور جمنا مگر اصولِ مذہب کے دائرہ میں رہ کر مسائل وفتوے کے اختلافی اقوال میں ترجیح وانتخاب کی حد تک صلاحیت مند مفکر اہلِ علم کا اجتہاد کر لینا بشرطیکہ اجتہاد اور وسعتِ فکر خود رائے اور ذہنی بے قیدی سے خالی ہو ساتھ ہی ہمہ وقت ذکر سے غافل نہ رہنا بشرطیکہ وہ تقشّف اور رنگِ رہبانیت سے خالی ہو نیز اجتماعیت سے خالی نہ ہونا بشرطیکہ وہ زمانہ کی رسمیات کی نقالی سے خالی ہو وغیرہ یہ سب اس جامع مسلک کے عناصرِ ترکیبی ہیں اسی طرح ان شعبوں سے متعلقہ طبقات کی شخصیتوں میں سے کسی ایک طبقہ یا ایک شخصیت کو لیکر دوسری شخصیتوں سے منحرف ہو جانا یا ان سے سوءِ ادب اور گستاخی سے پیش آنا بھی ان کا مسلک نہیں بلکہ وہ بیک وقت محدثین، متکلمین، فقہاء، صوفیاء، حکماء، عرفاء، خلفاء، امراء سبھی کے ادب کے جامع اور سب ہی سے استفادہ اور خوشہ چینی کے مقام پر ہیں اس لئے یہ مسلک جامعِ عقل وعشق جامعِ علم ومعرفت، جامعِ عمل واخلاق، جامعِ دیانت وسیاست، جامعِ مجاہدہ وجہاد، جامعِ درایت وروایت جامعِ خلوت وجلوت، جامعِ عبادت ومعاشرت، جامعِ حکم وحکمت جامعِ ظاہر وباطن اور جامعِ حال وقال مسلک ہے نقل وعقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتبِ فکر اسے حکمتِ ولی اللہی سے ملا اصولِ دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کی فکر اسے حکمتِ قاسمیہ سے ملی، فروعِ دین میں رسوخ و استحکام پیدا کرنے کا جذبہ اسے قطب الارشاد حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمتِ عملی سے ملا، سلوک میں عاشقانہ جذبات کا والہانہ جوش وخروش اسے قطبِ عالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے ملا اور تصوف کے ساتھ اتباعِ سنت کا شوق وذوق اسے حضرت مجدد الفِ ثانی اور سید احمد شہید رائے بریلی قدس سرّھما سے ملا، حدیث کے ساتھ فقہ فی الدین کی نسبت اور استناد اسے حضرت شاہ عبد الغنی نقشبندی قدس سرہ سے ملا اس طرح اس مسلک میں جامعیت واعتدال کے یہ سارے عناصر بیک وقت جمع ہو گئے اور اس طرح دین کے مختلف شعبوں کی ظاہری وباطنی نسبتیں مختلف اربابِ نسبت اہل اللہ کی توجہات وتعرفات سے اسے حاصل ہوئیں جنہوں نے مل کر اور یک جا ہو کر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کر دیا۔

دیوبندی مسلک کے متعلق علامہ اقبال کا مقولہ

مسلک علمائے دیوبند کے اس جامع اور معتدل مزاج کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے دیوبندیت کے

بارے میں ایک جامع اور بلیغ جملہ استعمال کیا تھا جو اس مسلک کی صحیح تصویر کھینچ دیتا ہے ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ دیوبندی کیا فرقہ ہے؟ کہا کہ نہیں! ''ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے''

بہرحال اس جامعیتِ اصول وشخصیات سے پیدا شدہ امتزاج کا نام مسلکِ علمائے دیوبند ہے اور یہی دیوبندیت یا قاسمیت ہے محض درسِ نظامی کی کتابیں پڑھنے پڑھانے کا نام دیوبندیت نہیں۔

جلسۂ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و تکمیل حفظ قرآن مجید

قارئین ماہنامہ اشرف الجرائد کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ادارہ امداد العلوم ٹرسٹ، ضلع میدک میں کئی برس سے یک روزہ سیرت طیبہ کانفرنس ہوتی آرہی ہے، اس سال بھی بتاریخ: ۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۹ ھجری مطابق 17 ڈسمبر 2017ء بروز اتوار بمقام: ''ادارہ امداد العلوم ٹرسٹ'' نارائن کھیڑ ضلع میدک میں آٹھواں یک روزہ جلسہ ''سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و تکمیل حفظ قرآن مجید'' منعقد ہورہا ہے، بوقت: صبح ۹ ربجے تا رات ۹ ربجے۔

جس میں ناظمِ ادارہ حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ العالی کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمغنی صاحب مدظلہ، (ناظم مدرسہ سبیل الفلاح بنڈلہ گوڑہ حیدرآباد) حضرت مولانا متین الحق اُسامہ کانپوری مدظلہ (ناظم جامعہ محمودیہ اشرفیہ کانپور) حضرت مولانا غیاث احمد رشادی زید مجدہٗ (صدر صفابیت المال حیدرآباد) کے خصوصی خطابات ہوں گے۔

قارئین سے خواہش ہے کہ تکمیل حفظ قرآن مجید اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مبارک جلسہ میں اپنے دوست احباب کے ساتھ کثیر تعداد میں شریک ہوکر استفادہ فرمائیں۔

مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کریں: **9951571653-9346380597**

نوٹ: خواتین کے لئے پردہ کا معقول نظم رہے گا۔

دارالعلوم دیوبند

تجدیدِ دین کی عالم گیر تحریک

از: مولانا محمد اللہ قاسمی*

انیسویں صدی عیسوی میں یوروپی استعمار کی چیرہ دستیوں اور پوری دنیا خصوصاً عالمِ اسلام پر تصرف اور قبضہ سے ایک عالمگیر سیاسی، سماجی اور دینی بحران پیدا ہو چکا تھا۔ یوروپی استعمار اپنے ساتھ عیسائیت اور الحاد و بے دینی کا ایک سیلاب بلا خیز بھی ساتھ لا رہا تھا۔ پورے عالمِ اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت مسلمانوں کی قوتِ فکر و عمل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور انڈونیشیا سے مراکش تک کے طول و عرض میں کوئی قابلِ ذکر تحریک موجود نہ تھی، جو اس نازک صورتِ حال میں مغربی استعمار اور الحاد کے خلاف آہنی دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی۔ ایسے نازک دور اور عالمگیر سناٹے میں پہلی آواز دیوبند سے اٹھی جو اگرچہ ابتدا میں ہلکی اور نحیف تھی؛ لیکن آہستہ آہستہ وہ الحاد و بے دینی اور ظلم و بربریت کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی اور نصف صدی کے اندر اندر پوری دنیا میں اس کا ڈنکا بجنے لگا:

تا ابد گوشِ جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گردوں زدہ ایم

عالم اسلام کی مؤثر ترین دینی تحریک

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کی نشاۃِ ثانیہ کی تاریخ میں دارالعلوم کی مسلسل تعلیمی اور تبلیغی جدو جہد کا بڑا حصہ ہے۔ دارالعلوم کی طویل زندگی میں حوادث کے کتنے ہی طوفان اٹھے اور حالات و سیاسیات میں کتنے ہی انقلاب آئے؛ مگر یہ ادارہ جن مقاصد کو لے کر عالمِ وجود میں آیا تھا، انتہائی استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ ان کی تکمیل میں سرگرم عمل رہا۔ فکر و خیال کے ان ہنگاموں اور فتنۂ مغرب میں ڈوبی ہوئی تحریکوں کے دور میں اگر بالعموم مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم جیسے ادارے کا وجود نہ ہوتا تو نہیں کہا جا سکتا کہ آج مسلمان

جمود و بے حسی کے کس گردابِ عظیم میں پھنسے ہوئے ہوتے۔ ارشاد و تلقین، تبلیغ و تذکیر، تعلیم و تربیت اور اصلاحِ خلق کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم کے فضلا مصروفِ عمل نہ ہوں اور ملتِ اسلامیہ کی اصلاح و تربیت میں انھوں نے اہم کردار ادا نہ کیا ہو، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ کے بڑے بڑے جلسوں کی رونق اس وقت برصغیر میں دارالعلوم ہی کے گرامی قدر علماء کے دم سے قائم ہے۔ بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کی مسند تدریس کی زینت آج یہی اصحاب ہیں۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیم گاہ ہی نہیں؛ بلکہ درحقیقت ایک مستقل تحریک اور تجدید دین کا مرکز ہے جس سے ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ پورے ایشیا، مشرقی و جنوبی افریقہ اور یورپ و امریکہ کے کروڑہا کروڑ مسلمان وابستہ ہیں اور اسے اپنا علمی و فکری مرکز سمجھتے ہیں۔ الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کا علمی و فکری فیض ایشیا سے گزر کر افریقہ، یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکا ہے۔ ان علاقوں میں دارالعلوم کے فیض یافتہ افراد دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مرکزی شہروں میں دارالعلوم کے طرز پر اسلامی درس گاہیں کھل چکی ہیں۔

برصغیر میں احیائے اسلام کا مرکز

دارالعلوم دیوبند نے برصغیر کے مسلمانوں کی دینی زندگی میں ان کو ایک ممتاز مقام پر پہنچانے کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، یہ نہ صرف ایک بین الاقوامی تعلیمی ادارہ ہے؛ بلکہ ذہنی نشوونما، تہذیبی ارتقا اور ملّی حوصلہ مندیوں کا ایک ایسا مرکز بھی ہے جس کے صحیح علم، بلند کردار اور نیک نیتی پر مسلمانوں کو ہمیشہ بھروسہ اور فخر رہا ہے۔ جس طرح عربوں نے ایک زمانے میں یونانیوں کے علوم کو ضائع ہونے سے بچایا تھا ٹھیک اسی طرح دارالعلوم دیوبند نے اس زمانے میں علومِ اسلامیہ اور بالخصوص علم حدیث کی جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ اسلام کی علمی تاریخ میں ایک زریں کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان میں نہ صرف دینی علوم اور اسلامی قدروں کی بقا و تحفظ کے زبردست اسباب فراہم کیے ہیں؛ بلکہ اس نے تیرہویں صدی ہجری کے اواخر اور چودہویں صدی کی معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بھی بہت دوررس اور نتیجہ خیز اثرات ڈالے ہیں۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریزوں نے اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر اسلامی علوم و فنون کی قدیم درسگاہوں کو یکسر ختم کر دیا تھا، اس وقت ضرورت تھی کہ نہ صرف اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب کی بقا کے لیے؛ بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے ایک تحریک شروع کی جائے جو مسلمانوں کو الحاد و بے دینی کے فتنۂ عظیم سے محفوظ رکھ سکے، اس وقت اسلام کے تحفظ کی تمام ذمہ داری علمائے کرام کے کاندھوں پر تھی؛ کیوں کہ اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، خدا کا شکر ہے کہ علمائے کرام نے اپنا فرض انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور مسلمانوں کی تمام توقعات دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ بدرجۂ اتم پوری ہوئیں۔

دارالعلوم دیوبند سے جو افراد فارغ ہوئے انھوں نے تعلیم وتبلیغ، تزکیہ اخلاق، تصنیف وتالیف، فقہ و فتاویٰ، مناظرہ وخطابت، صحافت وتذکیر اور حکمت وطب وغیرہ میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، وہ کسی مخصوص خطے میں محدود نہیں ہیں؛ بلکہ ہندو پاک کے ہر ہر خطہ کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی پھیل چکی ہیں۔ دارالعلوم نے اپنے یومِ قیام سے اب تک برصغیر کے کونے کونے اور دنیا بھر کے مرکزی اور بڑے شہروں میں اپنے فرزندانِ رشید کو پہنچا دیا ہے جو پورے خطے میں آفتاب وماہتاب بن کر چمک رہے ہیں اور مخلوقِ خدا کو ظلمت وجہل سے نکال کر نورِ علم سے مالا مال کر رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے صحیح الفکر علماء وفضلاء پیدا کیے، وہیں مدارسِ اسلامیہ کے وسیع نظام کے ساتھ دین واسلام کی اشاعت کا سامان بھی پیدا کیا۔ برصغیر کی پچھلی ڈیڑھ سو سالہ دینی وسماجی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں سب سے زیادہ مثبت اثر دارالعلوم کی تحریک سے پیدا ہوا ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ حصہ علمائے دیوبند کی علمی ودینی کوششوں کا ہے۔

عالمی دینی تعلیمی تحریک کا مرکز

ہندوستان میں برطانوی نظامِ تعلیم کے جاری ہونے کے بعد جب یہاں ایک نئی تہذیب اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا تو اس نازک وقت میں دارالعلوم کے اکابر نے دینی تعلیم اور مدارسِ اسلامیہ کے قیام کی تحریک شروع کر دی، خدا کے فضل وکرم سے ان کی تحریک مسلمانوں میں مقبول ہوئی؛ چنانچہ برصغیر میں جگہ جگہ دینی مدارس جاری ہو گئے اور ایک وسیع جال کی شکل میں روز بروز وسعت پذیر رہے۔ بہت ہی قلیل مدت میں دارالعلوم کی شہرت بامِ عروج کو پہنچ گئی اور بہت جلد دارالعلوم نہ صرف ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش؛ بلکہ افغانستان، وسط ایشیا، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، تبت، سیلون اور مشرقی وجنوبی افریقہ، یورپ، امریکہ وآسٹریلیا کے ممالک کے مسلمانوں کے لیے ایک بین الاقوامی دینی تعلیم کی تحریک کا مرکز بن گیا۔

اس وقت سے لے کر اب تک برصغیر کے طول وعرض میں بحمداللہ بے شمار دینی مدارس جاری ہو چکے ہیں، اور روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ حتی کہ جو مدرسے دارالعلوم کے مزاج ومذاق سے ہٹے ہوئے ہیں یا دارالعلوم کے نصابِ تعلیم کی اتباع نہیں کرتے ہیں، ان کا نظام بھی دارالعلوم کے وضع کردہ بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج برصغیر میں جس قدر بھی دینی مدارس نظر آتے ہیں ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے نقشِ قدم پر یا اس کے قائم کردہ اثرات سے جاری ہوئے ہیں؛ اس طرح دارالعلوم دیوبند کا وجود اسلام کی جدید تاریخ میں ایک عہد آفریں حیثیت رکھتا ہے، اور یہیں سے اس وقت پورے برصغیر میں دینی

تعلیم گاہوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان میں موجود مدارس کا کوئی حتمی اعداد وشمار موجود نہیں؛ تاہم چھوٹے بڑے مدارس کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہے۔ یہ تعداد ان لاکھوں مکاتب کے علاوہ ہے جو تقریباً ہر مسجد اور مسلم محلہ میں قائم ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے علاوہ، پاکستان اور بنگلہ دیش کے چپے چپے میں بھی اسی نہج پر ہزاروں مدرسے قائم ہیں، جن کے بڑے مدرسوں میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ پاکستان میں وفاق المدارس کے تحت دس ہزار کے قریب مدراس کا متحدہ پلیٹ فارم بھی قائم ہے جن میں اکثریت دیوبندی مدارس کی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی دینی مدارس ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ برصغیر کے قریب دیگر ملکوں جیسے مشرق میں برما، شمال میں نیپال، مغرب میں افغانستان وایران اور جنوب میں سری لنکا وغیرہ میں بھی کافی مدارس دارالعلوم کے طرز پر قائم ہیں۔ ان مدارس سے ہزاروں علماء ہر سال فارغ ہوکر معاشرہ میں علم کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ براعظم افریقہ کے جنوبی ملکوں خصوصاً ساؤتھ افریقہ میں دارالعلوم کے طرز کے سیکڑوں چھوٹے بڑے مدارس قائم ہیں۔ اسی طرح براعظم یورپ میں خصوصاً برطانیہ میں متعدد بڑے دارالعلوم اور مدارس قائم ہیں۔ بحرِ اٹلانٹک کے اس پار ریاستہائے متحدہ امریکہ، کناڈا اور ویسٹ انڈیز میں بھی دارالعلوم قائم ہوچکے ہیں اور دارالعلوم کے نہج پر علوم دینیہ کی تدریس واشاعت میں مشغول ہیں۔ دوسری طرف مشرق میں آسٹریلیا، فیجی، نیوزی لینڈ وغیرہ میں بھی الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدارس قائم ہیں۔

دفاعِ اسلام کا مضبوط قلعہ

دین اسلام کے بنیادی عقائد کی حفاظت، اسلامی افکار وروایات کی پاسداری اور تمام فرقِ باطلہ اور افکارِ فاسدہ سے اسلام کا دفاع دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور فضلاء کا طغرائے امتیاز رہا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی استعمار کی نحوست سے مسلمانوں کو نت نئے فتنوں سے واسطہ پڑا، اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے باطل افکار وفرق کو خوب خوب پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ خود مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت زوالِ اقتدار کے ساتھ دینی واخلاقی زوال سے دوچار تھیں۔ مسلمانوں کے عقائد وافکار میں تزلزل اور اضطراب پیدا ہوچکا تھا۔ اس نازک دور میں جب مسلمان سیاسی جنگ ہار چکا تھا، ایک طرف عیسائیت پوری قوت کے ساتھ حملہ آور تھی، آریہ سماج اور ہندوؤں کی یلغار تھی، تو دوسری طرف خود مسلمانوں کی صفوں سے ایسے افراد اور جماعتیں جنم لے رہی تھیں جو مختلف زاویوں سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند اپنے روزِ قیام سے اب تک اسلام کے دفاع میں تمام فرقِ باطلہ وافکار فاسدہ کے خلاف سدِ سکندری کی طرح ڈٹا رہا اور حدیث مبارک: يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُه يَنْفُوْنَ عَنهمْ

تحریفَ الْغَالِین وَ انْتِحَالَ المبْطِلِین وَ تَأْوِیْلَ الجاہِلِین، (طبرانی) (ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں گے) کے مطابق دینی عقائد وتعلیمات کا بھرپور دفاع کیا اور قرآن وحدیث اور صحابہ وسلف سے آنے والے متوارث دین کو اس کی اصلی حالت میں نئی نسلوں تک پہنچایا۔ علمائے دیوبند کو اس فرض کی انجام دہی میں مختلف محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑا۔

عیسائیت کا مقابلہ: ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد عیسائی مشنری برصغیر میں اس زعم سے داخل ہوئی کہ وہ ایک فاتح قوم ہیں، مفتوح قومیں فاتح قوم کی تہذیب کو آسانی سے قبول کر لیتی ہیں۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے دل ودماغ سے اسلام کے تہذیبی نقوش مٹا دیں یا کم از کم انھیں ہلکا کر دیں؛ تاکہ بعد میں انھیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے اور اگر وہ عیسائی نہ بن سکیں تو اتنا تو ہو کہ وہ مسلمان بھی نہ رہ جائیں۔ اس محاذ پر دارالعلوم اور اکابرِ دیوبند نے عیسائی مشنری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکر لی اور نہ صرف علم و استدلال سے ان کے حملے پسپا کر دیے؛ بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مذہبی ماخذ پر کھلی تنقید کی، اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمات سے علمی دنیا اچھی طرح واقف ہے۔

ہندو احیاء پرستی کا مقابلہ: غیر منقسم ہندوستان کی غالب اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جن کے آباء واجداد کسی زمانے میں ہندو تھے۔ انگریزوں نے سیاسی اقتدار پر تسلط جما لینے کے بعد یہاں کے ہندوؤں کو اکسایا کہ یہ مسلمان جو کسی زمانہ میں تمہاری ہی قوم کے ایک حصہ تھے؛ اس لیے اپنی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے انھیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کرو؛ چناں چہ انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں "آریہ سماج" کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک پوری قوت سے شروع ہوگئی۔ اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابر دارالعلوم نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا۔ تقریر وتحریر، بحث ومناظرہ اور علمی ودینی اثر ونفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا؛ بالخصوص علمائے دیوبند کے سرخیل اور قائد وامام حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس سلسلے میں نہایت اہم ومؤثر خدمات انجام دیں، برصغیر کی مذہبی وسماجی تاریخ کا ہر معمولی طالب علم حضرت موصوف کی ان خدماتِ جلیلہ سے پوری طرح واقف ہے۔ تقسیمِ ہند کے قیامت خیز حالات میں جب کہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا، اس ہولناک دور میں بھی شدھی وسنگٹھن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی۔ اس موقع پر بھی علمائے دیوبند وقت کے خونی منظر سے بے پروا ہو کر میدان میں کود پڑے اور خدائے رب العزت کی مدد ونصرت سے ارتداد کے اس سیلاب سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لے گئے۔

قادیانیت کا مقابلہ: الحمدللہ علمائے دیوبند کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب ختمِ نبوت کے اس عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگی تو علمائے دیوبند سب سے پہلے پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئے اور مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم اور اساطین علمائے دیوبند میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، موثر تقاریر اور لاجواب مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل وفریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد منشاء لندن میں محصور ہوجانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی وفکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیرنگرانی حریمِ ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری وساری ہے۔

شیعیت کا مقابلہ: دارالعلوم ایک ایسے وقت میں قائم ہوا؛ جب کہ انگریزوں نے لکھنؤ کی شیعی حکومت کا ۱۸۵۷ء میں الحاق کرکے اس کا وجود مٹا دیا تھا؛ لیکن اودھ کی شیعی حکومت اور سلطنتِ مغلیہ میں ان کے گہرے اثرات کی وجہ ان کے مذہبی عقائد کی چھاپ پورے ہندوستان پر پڑ گئی تھی۔ پورے ہندوستان میں شیعی عقائد اور ان کے مشرکانہ رسوم غیر شیعہ مسلمانوں کے دل ودماغ میں اس قدر رچ بس گئے تھے کہ اگر ان کو صحیح طور پر کلمۂ شہادت بھی ادا کرنا نہ آتا ہو؛ مگر وہ تعزیہ داری اور اس کے ساتھ عقیدت مندی کا والہانہ جذبہ سینوں میں موج زن رکھتے تھے اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی سند سمجھتے تھے۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ شیعہ اتنے بڑے ملک میں سنیوں کے مقابل میں مٹھی بھر تھے؛ لیکن کروڑوں اہل السنۃ والجماعۃ مسلمانوں کے دلوں میں شیعوں نے اپنے سارے عقائد ومراسم، جذبات وخیالات کی چھاپ ڈال دی تھی اور پورے ہندوستان کو شیعیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ علمائے دیوبند کا یہ قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ انھوں نے برصغیر کو شیعوں کے ہمہ گیر اثرات سے پاک کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد وافکار کی حفاظت واشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ علمائے دیوبند نے کتابوں، فتاوی اور بیانات کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی بھرپور رہ نمائی فرمائی۔

شرک وبدعت کا مقابلہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام جب ہندوستان پہنچا تو یہاں کی قدیم تہذیب و تمدن، رسم ورواج، طور وطریق، ذہن ومزاج اور مذہبی تعلیمات وروایات پر اس نے زبردست اثر ڈالا؛ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہندو تہذیب نے بھی مسلم تہذیب کو کم متاثر نہیں کیا ہے۔ یہ اثرات مسلم سماج میں اس طرح پیوست ہوکر رہ گئے کہ آج یہ احساس بھی مٹ گیا کہ یہ رسم ورواج اور طور وطریق اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں سے آئے ہیں۔ یہی نہیں؛ بلکہ علمائے سوء نے دنیا کمانے کے لیے شرک وبدعت کی تائید میں سامنے آگئے اور انھوں نے مستقل فرقہ کی شکل اختیار کرلی۔ علمائے دیوبند نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فرض پوری دیانت داری سے ادا کرتے ہوئے پورے ملک میں اہلِ بدعت کا مقابلہ کیا، ان سے

مناظرے کیے اور عوام پر حق واضح کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں اور ان کے اخلاف کے ذریعہ اصلاحِ عقائد واعمال کا یہ مبارک سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

غیر مقلدیت کا مقابلہ: تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی تقریباً تمام اہم مسلم حکومتوں نے مذہبِ حنفی کا اتباع کیا اور فقہِ حنفی ہی تمام قوانین وضوابط کی بنیاد بنا رہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت مذہبِ حنفی کی پابند تھی۔ پوری مسلم تاریخ میں تقلید سے انحراف، اسلامی روایات سے بغاوت اور سلفِ صالحین سے نفرت و کدورت کا کوئی قابلِ ذکر ثبوت نہیں ملتا؛ لیکن آخری زمانے میں جب سلطنتِ مغلیہ روبہ زوال تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کے ناپاک قدم پڑ چکے تھے، اس وقت نت نئی جماعتوں نے جنم لینا شروع کیا۔ عدمِ تقلید کا فتنہ بھی اسی تاریک زمانے کی پیداوار تھا۔ اس فرقہ نے بالکل خارجیوں جیسا طریقہ کار اپنا کر نصوص فہمی کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے مسلّمہ علمی منہاج کو پسِ پشت ڈال کر اپنے علم وفہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق و باطل اور ہدایت وضلالت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور فرد وطبقہ جو اُن کی اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں تھا، اس کو وہ ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال ومضل، فرقہ ناجیہ؛ بلکہ دینِ اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ علمائے دیوبند نے عمل بالحدیث کے نام سے اباحیت، ذہنی آزادی اور ہویٰ پرستی کے اس فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور غیر مقلدین کے ذریعہ اٹھائے گئے مسائل پر ان حضرات نے عظیم الشان تحقیقی مواد یکجا کر دیا۔ پچھلی دہائیوں میں عالم عرب خصوصاً سعودی عرب میں تیل کی دولت کے ظہور کے بعد جب اس فتنے نے دوبارہ نہایت شدومد کے ساتھ بال وپر نکالنے شروع کیے اور عرب کی سلفی ووہابی تحریک سے ہم آہنگ ہو کر اور وہاں سے مالی امداد پا کر ہندوستان میں دوبارہ افتراق بین الامت کی کوششیں شروع کیں تو پھر علمائے دیوبند میدان میں آ گئے اور انھوں نے علم وتحقیق کی سطح پر غیر مقلدین کی ہفوات کا جواب دینے کے ساتھ پورے ملک میں جلسوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ عوام کو اس فتنہ سے باخبر کیا۔

نیچریت اور غیر اسلامی افکار وخیالات کا مقابلہ: اٹھارہویں صدی میں یورپ سے اٹھنے والے اقتصادی اور سائنسی انقلاب میں جہاں سماجی وسیاسی اور تجارتی واقتصادی سطح پر بہت ساری مثبت تبدیلیاں وجود میں آئیں، وہیں مذہبی دنیا میں اس نے کہرام بپا کر دیا۔ یورپ کا سائنسی انقلاب دراصل مذہب یعنی عیسائیت سے بغاوت ہی کے بعد وجود میں آیا تھا؛ کیوں کہ عیسائیت علم وسائنس کی ترقیات کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ یورپ کے مذہب بیزار انقلابیوں نے بالآخر مذہب کو فعال اور معاشرتی زندگی سے نکال کر، اسے چرچوں اور انفرادی زندگیوں تک محدود کر دیا۔ مذہب کو ناکارہ، فرسودہ اور از کار رفتہ سمجھ کر زندگی کے ہر گوشے کو سیکولزم

(لامذہبیت یا مذہب بیزاری) اور تعقل کے پہلو سے دیکھنے اور پرکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمانوں میں پیدا ہونے والے اس عقل پرست نے جہاں ایک طرف جدید معتزلہ اور نیچری پیدا کیے، وہیں اسی فکر کے پیٹ سے انکار حدیث کے فتنہ نے جنم لیا۔ اخیر زمانے میں تجدید پسندی اور مودودیت بھی اسی فکر کا شاخسانہ تھے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت اور اسلامی حدود کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان باطل افکار وخیالات سے بھی ٹکر لی۔ انھوں نے دین کے صحیح فہم، اسلامی اصطلاحات وروایات کی سلیم تعبیر اور ہر دور میں اسلامی تعلیمات کی ابدی حقانیت ومعنویت کو ثابت کیا۔

ان تمام تحریکات کے علاوہ جب بھی کسی فرد یا جماعت نے ما انا علیہ و اصحابی کے جادۂ مستقیم سے انحراف کیا اور ملتِ اسلامیہ کے اندر غلط افکار ونظریات کے سرایت کر جانے کا اندیشہ ہوا تو دارالعلوم کی جانب سے ہمیشہ ان پر نکیر کی گئی۔ غلط عقائد کا سدِ باب کیا گیا اور اس کی جگہ صحیح ومتوارث اسلام پیش کرنے کی خدمات انجام دی گئیں۔ علمائے دیوبند کی انھیں مبارک کوششوں سے الحمدللہ! آج ہندوستان میں دینِ اسلام اپنی پوری صحیح شکل میں نہ صرف موجود ہے؛ بلکہ مدارسِ اسلامیہ، جماعتِ تبلیغ اور دینی اداروں کی برکت سے آج ہندوستان عالم اسلام کے اندر مستند دینی تعلیمات اور صحیح اسلامی روایات کے تحفظ واشاعت میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

مرکزِ تجدید واحیائے دین

انیسویں صدی کے استعماری دور میں اکابرِ دیوبند نے اپنی علمی ودینی بصیرت سے اس حقیقت کا پورا ادراک کرلیا کہ سماجی واقتصادی تبدیلیاں جب اقتدار کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہیں تو دینی وروحانی قدروں کی زمین بھی ہل جاتی ہے، اس باب میں عثمانی ترکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترک قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور مصطفی کمال کی قیادت میں اپنے ماضی سے کٹ گئی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ترک اسلامی تہذیب، مغربیت میں فنا ہوگئی اور ایک عظیم اسلامی سلطنت کا صفحۂ ہستی سے وجود ختم ہوگیا۔ الغرض! تہذیبِ اسلام کے لیے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ تاریخ کے اس انتہائی خطرناک موڑ پر اکابرِ دیوبند کے سامنے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسلامی تہذیب کو مغربیت کے اس سیلاب سے محفوظ رکھا جائے اور مسلمانوں کے دین ومذہب کا تحفظ کرکے انھیں ارتداد سے بچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پوری بیدار مغزی وژرف نگاہی سے ہر اس محاذ کو متعین کیا، جہاں سے مسلمانوں پر فکری وعملی یلغار ہوسکتی تھی اور پھر اپنی بساط کی حد تک حکمت وتدبر کے ساتھ ہر محاذ پر دفاعی خدمات انجام دیں۔

اپنی ایک ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں دارالعلوم نے ہندوستانی مسلمانوں کو جہاں ایک طرف سماجی زندگی کا ترقی یافتہ شعور دیا ہے، تو دوسری طرف انھیں فکر وعمل کا توازن بخشا ہے، آج مسلمانوں کا جو طبقہ اسلامی نظریات کی معقول تعبیر، اسلامی افکار کی اطمینان بخش توجیہ اور صحیح اسلامی زندگی اختیار کیے ہوئے ہے، وہ دارالعلوم کی زائد از سو سالہ علمی وعملی جد وجہد کا نتیجہ ہے۔ عام روایات کے برخلاف یہاں کا مذہبی رجحان کبھی رجعت پسند نہیں رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جو قدیم وجدید کے حسین سنگم پر قائم ہے اور جس کی اپنی شان دار روایت اس کے تابناک ماضی کی نقیب اور اس کے عظیم مستقبل کی پیامبر ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت خدمات کو 'تجدیدِ دین' کا عنوان دیتے ہوئے لکھا: "تجدید واحیائے دین کی جو تحریک گیارہویں صدی سے ہندوستان کو منتقل ہوئی تھی اور اپنے اپنے دور میں مجدد الفِ ثانی، (شاہ ولی اللہ) محدث دہلوی اور شہید بالاکوٹ (سید احمد شہید) جس امانت کے حامل تھے، دارالعلوم دیوبند اسی وراثت وامانت کا حامل تھا۔ لوگ دارالعلوم کو مختلف زاویہ سے دیکھتے ہیں؛ کوئی اسے علومِ اسلامیہ کی یونیورسٹی سمجھتا ہے، کوئی اسے جہادِ حریت کے مجاہدین کی تربیت گاہ قرار دیتا ہے، کوئی اسے دعوت وعزیمت اور سلوک وتصوف کا مرکز سمجھتا ہے؛ لیکن میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے لفظوں میں اس کو "بقائے اسلام اور تحفظ دین کا ذریعہ" سمجھتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجددینِ امت کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا، دارالعلوم دیوبند اپنے دور کے لیے مجددینِ امت کی تربیت گاہ تھی۔ یہیں سے مجددِ اسلام حکیم الامت حضرت تھانوی نکلے۔ اسی سے دعوت وتبلیغ کی تجدیدی تحریک ابھری جس کی شاخیں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہیں سے تحریکِ حریت کے داعی تیار ہوئے، یہیں سے فرقِ باطلہ کا توڑ کیا گیا۔ یہیں سے محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی۔ مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغۂ روزگار شخصیات تیار کیں؛ بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید واحیائے کے لیے عظیم الشان اداروں کو جنم دیا۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند کو اگر تجدید واحیائے دین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہوگا۔

(بہ شکریہ: ماہنامہ الرشید ساہیوال پاکستان، دارالعلوم دیوبند نمبر، 1976ء ص 667)

تحریکِ مدارس اور اُس کے مقاصد

حضرت مولانا محمد عبدالقوی مدظلہ العالی

مدارس دینیہ اسلامیہ کا اصل مقصد دین اسلام کی تعلیم وتدریس اور علوم شرعیہ نقلیہ کا تحفظ وبقا ہے، مغلیہ سلطنت کے زوال تک ہندوستان میں بھی ان مدارس کا قیام اور ان کا رواج اسی مقصد وضرورت کے ماتحت رہا۔ لیکن جب ہندوستان کو ظالم وغاصب انگریزوں نے ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے پرچم تلے تجارت کے بہانے ملک میں داخل ہوکر بجور وظلم اپنے قبضہ میں کرلیا اور ملک کے آخری مسلم تاجدار ''بہادر شاہ ظفر'' اسیر وپابہ زنجیر لال قلعہ سے نکال کر قید خانۂ رنگون میں منتقل کردئے گئے، جس کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کی رہی سہی عزت بھی لٹ گئی اور ان کا مستقبل دین ومذہب کے اعتبار سے بھی، متاع ومال اور جاہ وجلال کے اعتبار سے بھی غیر یقینی بلکہ پُرخطر ہوگیا تو اس وقت کے غیور، متفکر اور دوراندیش علماءِ کرام اس صورتحال پر قابو پانے اور تشویشناک خطرات سے مسلمانانِ ہند کو بچا لینے کے لیے اوّلاً جہاد بالسیف کے فریضے میں مشغول ہوئے، پھر ــــــ اس میں مسلسل ناکامیوں کے بعد ــــــ جہاد بالعلم کا محاذ کھول دیا۔

دارالعلوم اور اکابرِ دارالعلوم کی تاریخ کا گہرا مطالعہ آپ کو اس نتیجہ پر پہنچائے گا کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ایک مدرسہ تعلیم وتدریس کا قیام ہی نہ تھا، بلکہ ۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد جنگ کا پینترا بدلنے کی حکمتِ عملی کے طور پر بھی تھا، یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہمارے اکابر کی جدوجہدِ آزادی کے پیچھے ملک گیری اور حکمرانی کے خسیس جذبات کارفرما نہ تھے۔ اسلام، دعوتِ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کا فریضہ ہی ان کے مدِنظر تھا، اس لیے جب زور اور مقابلہ سے یہ مقصد حاصل نہ ہوسکا تو ان حضرات کے تدبرِ علمی اور نورِ تقویٰ نے یہ صلاح دی کہ اگر اس جدوجہد کا پینترا بدلا نہ گیا اور حکمتِ عملی سے کام نہ لیا گیا تو کام کرنے والے افراد یونہی جنگ کے میدانوں اور دشمن کی تلواروں کی نذر ہوتے چلے جائیں گے، پھر یہ امت بے قیادت ہوکے رہ جائے گی، جس کے نتیجہ میں نہ ان کی عزت محفوظ رہ سکے گی اور نہ ہی ان کا دین ومذہب بچ سکے گا، کیونکہ یہی شہ سوارانِ جہاد وحریت راہنمایانِ دین ودیانت ہیں، اور یہی پیرانِ طریقت! بشاراتِ منامیہ اور الہاماتِ ربانیہ سے بھی اسی کی تائید وتقویت ہوتی رہی۔ اسی تدبر وتفکر، باہمی تبادلۂ خیال واستشار، نیز صلحاء واولیاء کی بشارات والہامات کے بعد

اکابر دارالعلوم نے تحریکِ مدارس کا آغاز کر دیا۔

سوانح قاسمی کے مصنف گرامی مولانا مناظر احسن گیلانیؒ پورے ثبوت و وثوق کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

''میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ (جو اُس وقت دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم تھے) کے فرستادہ کی حیثیت سے حضرت الاستاذ شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بطورِ پیغام رساں حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کا صحیح سیاسی مسلک کیا ہے؟ یہ پیغام سنتے ہی میں نے دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے، اور ارشاد فرمایا:

''حضرت الاستاذ حضرت نانوتویؒ نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم و تعلّم کے لیے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے، تاکہ ۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔''

آخر میں ارشاد فرمایا:

''(صرف) تعلیم و تعلّم، درس و تدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے میں اُن کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں، لیکن اپنے لیے تو اُسی راہ کا انتخاب میں نے کیا ہے جس کے لیے دارالعلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا۔'' (سوانح قاسمی ۲/۲۲۶)

شیخ الہندؒ کے اس ارشادِ گرامی کی روشنی میں قیامِ دارالعلوم کے پس منظر یا تحریکِ مدارس کے بنیادی مقصد کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے، جب کہ یہ ارشاد آپ کی زبانِ مبارک سے احیاناً یا ضمناً صادر نہیں ہوا تھا، باقاعدہ دفترِ اہتمام سے دریافت کروانے پر فرمایا گیا تھا۔

مرتب تاریخ دارالعلوم اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''(۱) قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور ان کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنونِ آلیہ کی تعلیم دینا، اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا۔

(۲) اعمال و اخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلباء کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

(۳) اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین کا تحفظ و دفاع، اور اشاعتِ اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر و تقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم و تبلیغ کے ذریعے سے خیر القرون اور سلفِ صالحین جیسے اخلاق و اعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(۴) حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

(۵) علومِ دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق۔'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند ۱/ ۱۴۲)

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دارالعلوم کے اسی وسیع اور ہمہ گیر تصور کے پیش نظر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ مدرسہ تکوینی طور پر اس ملک کے تمام معاملات میں قطب الرّحیٰ (چکّی کی کِلّی) کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے اِردگرد یہاں کے اجتماعی معاملات شعوری غیر شعوری طور پر گھومتے ہیں اور تشریعی طور پر وہ ایک مجدد کی حیثیت رکھتا ہے جس نے دین کے مختلف گوشوں کی تجدید کی ہے اور خلافِ شرع رسوم ورواج کو مٹا کر اتباعِ سنت کا راستہ ہموار کیا ہے، یہی وہ ہمہ گیر تصور تھا جس پر مدرسہ دیوبند کی بنیاد رکھی گئی اور اس ہمہ گیری اور اجتماعیت کے جذبات سے بھرے ہوئے وہ ہشتگانہ اصولِ اساسی حضرت قاسم العلومؒ نے مرتب فرمائے جن پر اس مدرسہ کی اساس قائم ہے اور وہ تا حال رواں دواں ہے۔'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند ۱/ ۴۵)

دارالعلوم کو چلانے کے لیے حجۃ الاسلامؒ نے جن آٹھ اصولوں کی نشاندہی فرما کر بعد میں کام کرنے والوں کو بطورِ وصیت ان کا پابند فرمایا اور دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ ڈیڑھ سو سال سے جن کی سختی سے پابندی کر رہی ہے وہ اصول بھی ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱) اصلِ اوّل یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کی ہمیشہ تکثیرِ چندہ پر نظر رہے۔ آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے۔

۲) ابقاءِ طعامِ طلبہ بلکہ افزائشِ طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آ جائے گا۔ القصہ تہہِ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس لیے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں، اور سامعین بہ نیتِ نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آ جائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بہ دل وجان قبول کریں گے، اور نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امورِ مشورہ طلب میں اہلِ مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیرِ مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً

کسی وجہ سے مشورہ کی نوبت نہ آوے اور بقدرِ ضرورت اہلِ مشورہ کی مقدارِ معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا۔ ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہلِ مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرّسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہوچکی ہے، یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو، پوری ہوجایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اوّل تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی، اور کارکنان میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امیدناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ **(تاریخ دارالعلوم ۱ / ۱۵۳، ۱۵۴)**

الغرض! مذکورہ بالا پس منظر میں غیر اسلامی ہندوستان کا اوّلین باقاعدہ مدرسہ اور آج کا عظیم الشان عالمی جامعہ دارالعلوم دیوبند کا قیام سن ۱۸۶۶ء میں عمل میں آیا، اس کے دوسال بعد مظاہر علوم سہارنپور کی داغ بیل رکھی گئی، اطراف واکناف میں اکابر دارالعلوم سے وابستہ دردمندانِ قوم وملت نے یکے بعد دیگرے مدرسے قائم کرنے شروع کردئے، جن میں سے بعض دارالعلوم کی باقاعدہ شاخ تھے، بعض مستقل خود مکتفی ادارے، لیکن اس کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں مرکز سے وابستہ تھے، ابتداءً دارالعلوم ان کی مقصدی، تعلیمی اور انتظامی اکائی کے قائم رکھنے میں دلچسپی لیتا اور وقت دیتا رہا، دھیرے دھیرے جب یہ سلسلہ ملک کے طول وعرض میں پھیل گیا اور تعداد بڑھتی ہی چلی گئی تو ملک کے تمام مدارس کی اس قسم کی نگرانی وسرپرستی دارالعلوم کے لیے ممکن نہ رہی، لیکن چونکہ ان مدارس کے قائم کرنے والے اکثر فضلاءِ دارالعلوم تھے یا پھر وابستگان دارالعلوم، اس لیے خود بخود ان مدرسوں کے اغراض ومقاصد اور ان کا نظام ذیلی تبدیلیوں کے باوجود عبوری طور پر اس قدر یکساں رہا اور ہے کہ گویا وہ دارالعلوم کی شاخیں ہی ہوں، بلکہ ان کے سربراہ عملاً وقولاً اپنے مدارس کو تحریکِ دارالعلوم ہی کا ایک حصہ

قرار دیتے ہیں اور دارالعلوم کو بانگِ دہل ''ام المدارس'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس پوری تفصیل کا حاصل یہ یاد دہانی کرانا ہے کہ اگرچہ مدارسِ اسلامیہ کا قیام ونظام عہدِ رسالت سے تا بہ امروز قائم ودائم ہے، مگر ہر زمانہ میں اُس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے ان کا استعمال اور ان کے اثرات مختلف رہے ہیں، چنانچہ ہمارے ملک میں بھی مدارس کا سلسلہ صدیوں سے قائم تھا مگر محض ایک درسگاہ کی حیثیت سے تھا، سلطنتِ مغلیہ کے سقوط اور سلطنتِ برطانیہ کے تسلط کے بعد جو نظامِ مدارس دارالعلوم دیوبند کی شکل میں نمودار ہوا وہ اپنے بانیوں اور اس وقت کے علماءِ ربانیین کے مقاصد کے مطابق محض ایک درسگاہ سے آگے بڑھ کر ''تحفظِ اسلام اور تحفظِ مسلمین'' کے بروج مشیدہ کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ اس سے قبل مسلمانوں کو مسلم سلاطین اور مُسلَّم اقتدار کی پشت پناہی و بے فکری حاصل تھی، اس وقت علماءِ کرام کے سامنے تعلیم وتعلّم، تصنیف وتحقیق اور ذکر وشغل سے زیادہ کسی چیز کی اہمیت نہ تھی، جب اقتدار کی شوکت وسطوت سے محروم ہو گئے، سیاسی طور پر غلامی ومحکومی کی صورتحال سے دوچار ہوئے، عیسائی حکمرانوں نے فتح وحکمرانی کے نشہ میں چور ہو کر عیسائیت کے فروغ کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی آزادی چھین لی تو علماءِ اسلام نے مسلمانوں اور اسلام کو سنبھالنے کے واسطے ان دشمنوں کے مقابلہ میں پہلے عسکری محاذ قائم فرمایا، پھر جب اس محاذ کو حالات کے تناظر میں ناکام ہوتا ہوا محسوس کیا تو نو برس کی آہوں، دعاؤں اور تفکر وتدبر کے بعد اشارۂ غیبی سے علمی ودعوتی محاذ کھولا، شاہکارِ اوّل اور میر مرکز کے طور پر دارالعلوم دیوبند کی بناء رکھی گئی، اس لیے ہندوستان میں تحریکِ مدارس کو معروف ومفہوم اور لغوی معنٰی میں صرف درسگاہ سمجھنا وہ بنیادی غلطی ہے جس کی پاداش میں آج مدارسِ دینیہ عربیہ کی سرگرمیاں محدود اور کم اثر ہوتی چلی جارہی ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ مدارسِ دینیہ عربیہ کے ذمہ دار حضرات تحریکِ مدارس کے مقاصد اور طریقۂ کار دونوں کو بغور ملاحظہ کریں اور اپنے زیرانتظام مدارس کو دارالعلوم کے مقاصدِ قیام اور طریقۂ کار سے ہم آہنگ کرنے کی جدوجہد کریں، مختصر لفظوں میں بطورِ خلاصہ کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مدرسہ کو نری درسگاہ سمجھنے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کا ذریعہ سمجھیں اور مالیہ کا انحصار صرف مخلص ومتوسط عوام پر رکھیں، مغرور ومتکبر مالداروں بالخصوص حکمرانوں کی امدادوں سے مدرسہ کو محفوظ ومامون رکھیں۔ کم از کم ان دو امور میں بھی ہماری فکر صحیح رُخ پر کام کرے گی تو انشاء اللہ تحریکِ مدارس کے حقیقی اور انتہائی مؤثر فوائد جو ماضی میں حاصل ہوا کرتے تھے اب بھی ہونے شروع ہو جائیں گے۔ مگر فی الحال جو صورتحال ذمہ دارانِ مدارس کی ہے ــــ الا ماشاء اللہ ــ اس کے برخلاف ہے، بڑی بڑی عمارتوں، وسیع جائیدادوں، اور جدید تقاضوں کے حصول کی فکر نے مقاصد

وثمرات کے حصول کی فکر سے بھی غافل کر دیا ہے، مالیات کی فراہمی میں احتیاط واعتبار کی قید سے بھی آزاد کر دیا ہے، حد یہ ہے کہ اب ہمارے ذمہ دارانِ مدارس بھی پرائیوٹ اسکول والوں کی طرح حکومتوں کی اسکیموں پر للچائی نظریں ڈال رہے ہیں، اور ہر اس ذریعہ سے فائدہ اٹھانے کو ہوشیاری وکمال سمجھ رہے ہیں جو حکومتوں نے بڑی گہری سازش کے تحت مدارس اسلامیہ کے لیے پیش کی ہیں، خواہ وہ مقاصد کا خون کر کے ملے، خواہ نتائج سے ہاتھ دھو کر ملے، جس کی واضح مثال ''مدرسہ بورڈ'' کے قیام کی بعض اہلِ مدارس کی جانب سے تائید اور سینکڑوں مدارس کی اس سے وابستگی ہے، جب کہ اس کے بارے میں اہل نظر وخبر علماءِ کرام کی تحقیق ہے کہ اس اسکیم کے پیچھے ہمارے حکمرانوں سے بھی زیادہ بعض مسلم دشمن قوتوں کی کارفرمائی ہے۔ اس صورتحال نے مدارس دینیہ کی روح کمزور کر دی ہے، یہ عاجز کم از کم جنوبی ہندوستان کے اکثر علاقوں کا دورہ کرتا رہتا ہے، مدارس اہل مدارس ہی سے واسطہ رہتا ہے، چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مدرسوں کی زیارت اور معائنہ کا موقعہ ملا ہے ملتا رہتا ہے، انہیں دیکھ کر جہاں اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے اسلاف کی آہِ سحر گاہی کے اثرات قبولیت ملک کے چپہ چپہ اور قریہ قریہ تک پہنچ کر اپنا اثر دکھا رہی اور کتاب وسنت کی روشنی پھیلا رہی ہے، وہیں یہ جان کر افسوس اور غم بھی ہوتا ہے کہ بہت سے بانیانِ مدارس مقاصد سے تک ناواقف ہیں، بعض جگہ کام بھی نہیں ہے، بعض نے مدرسہ کو حصولِ سرمایہ کا ذریعہ بنا رکھا ہے، کوئی ان کا بڑا ہے نہ وہ کسی سے ملحق ہیں، جس محنت وسرمایۂ قوم کو قوم کی جتنی فلاح وبہبود کا سبب بنایا جا سکتا تھا اتنا ہی شخصی مفادات کا وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ فیا للأسف ویاللعجب!

اِن سطروں کی تحریر سے میرا مقصد ملتِ اسلامیہ کے تئیں جاری مدارسِ اسلامیہ کے فوائد ومنافع کا انکار نہیں ہے، جس طرح بھی یہ مدارس قائم ہیں قوم وملت کے نگہبان اور دین وایمان کے پاسبان کی حیثیت سے قائم ہیں، اور آج بھی دشمنانِ اسلام اور سوپر پاورز کو اگر کسی قوم اور کسی پاور سے خطرہ ہے تو وہ مدارسِ اسلامیہ اور وابستگانِ مدارسِ اسلامیہ سے ہے، اس لیے مدارس کے موجودہ فوائد ومنافع سے قطعی انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بس اس سلسلہ میں ہماری روش کی تبدیلی اور انحرافِ فکری کی وجہ سے جو اغراض ومقاصد کا نقصان ہو رہا ہے اس کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہی محنت اگر ہم تحریکِ مدارس کی حقیقت کو معلوم کر کے اور اکابر کے سینوں میں پنہاں دردِ دل کو محسوس کر کے اور انہی کو اپنا قبلۂ فکر بنا کر انہی کے بتلائے ہوئے اصولوں پر پختگی کے ساتھ قائم رہ کر کرنے لگیں تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد امتِ مسلمہ وعدۂ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی مستحق ومصداق نظر آنے لگے گی۔ کاش کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کر سکیں۔

مسلمانوں کی تعلیم میں دینی مدارس کا کردار

مولانا محمد فیاض قاسمی

اسلام ایک آفاقی دین ہے۔اس کی تعلیمات میں روحِ انسانیت کی ان تمام تشنگیوں کا مداوا ہے جو اسے دنیاوی امور میں مختلف موڑ پر محسوس ہوتی ہیں؛لیکن اسے کیسے حاصل کیا جائے؟ان پریشانیوں کو خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صُفہ کے قیام اور وہاں جمع ہو کر صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت کے ذریعہ دور کر دیا اور امت کو گویا یہ سبق دیا کہ اگر تمہیں دین اسلام کی بقا اور اس کی صحیح اور اصل شکل میں اشاعت مطلوب ہے اور اس کے ذریعہ اپنی دینی وتعلیمی حالت کو سنوارنا چاہتے ہو،تو تم بھی مقام صفہ کی طرح دینی درس گاہیں قائم کر کے اپنے کو اور اپنی نسلوں کو تعلیمات اسلامیہ سے روشناس کراؤ اور علم کی شمع روشن کر کے جہالت کا خاتمہ کر دو۔اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور مدارسِ اسلامیہ کے قیام کو کسی نہ کسی شکل میں لازمی سمجھ کر اس پلیٹ فارم کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی تمام دینی،اسلامی اور معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے اور ان کی علمی تشنگی کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی،جس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ آج مدارسِ اسلامیہ اپنی مرکزی حیثیت کی بنا پر حیاتِ اسلامی کا جزوِ لاینفک ثابت ہو رہے ہیں۔

اسلامی مدارس حفاظتِ دین کے قلعے اور علوم اسلامیہ کے سرچشمے ہیں۔ان کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو ایک طرف اسلامی علوم کے ماہر،دینی کردار کے حامل اور فکری اعتبار سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں،دوسری طرف وہ مسلمانوں کی دینی واجتماعی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ان میں تہذیب و ثقافت،غیرت وحمیت،ایمان داری،وفاشعاری اور ان تمام اخلاقی ومعاشرتی قدروں کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے،جن سے دنیا میں بسنے والے ایک امن پسند شخص کو آراستہ ہونا چاہیے۔

ان مدارس نے امتِ مسلمہ کو دین کے ہر شعبے میں رجالِ کار دیے ہیں؛خواہ عقائد ہوں یا عبادات،یا معاملات،یا معاشرت،یا اخلاق،غرض کہ دینی زندگی کے تمام شعبوں میں امت کی راہ نمائی کے لیے افراد تیار کیے ہیں۔ان اداروں میں امت کے نونہالان غذائے روحانی کے ذریعہ نشو ونما پاتے ہیں اور شدہ شدہ تعلیمات

اسلام سے شادابی وسیرابی حاصل کر کے ایک مضبوط تناور درخت بن کر عوام الناس کو اپنے گھنے سائے اور میٹھے پھلوں سے مستفید کرتے ہیں۔جس کے ذریعہ امت تازہ دم،تن درست وتوانا ہوکر اسلامی دھارے کی طرف اپنی زندگی کو رواں دواں رکھتی ہے۔

تمام مدرسوں اور دینی اداروں نے اپنے مقاصد تاسیس کی روشنی میں تعلیم وتربیت کو فروغ دیا ہے۔جہالت وناخواندگی کا قلع قمع کیا اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو درست سے درست تر بنایا ہے۔ملک کی شرحِ خواندگی کو بڑھانے میں نہ صرف حکومت کا ہاتھ بٹایا؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حکومت کی مدد کی ہے۔اسلامی اخلاق اور انسانی قدروں کی آبیاری کی ہے۔برادرانِ وطن کے ساتھ یک جہتی ورواداری اور صلح و آشتی کے ساتھ پرامن بقائے باہم کے اسلامی اصول پر سختی سے عمل کیا ہے۔فرقہ وارانہ میل جول اور ربط وتعلق کو فروغ دیا ہے اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی،وطنِ عزیز کی آزادی وخودمختاری کے لیے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے سرفروش قائدین وراہ نما پیدا کیے ہیں۔

اگر یہ دینی ادارے اور مدارس نہ ہوتے تو امت کو دینِ متین کی صحیح شکل ملنی مشکل تھی۔معاشرہ میں باطل کے پھیلائے گئے جال سے چھٹکارا نہ ملتا۔صلح وآشتی اور امن وسکون قائم نہ ہوتا۔ملک وقوم کی ترقی نہ ہوتی۔وطنِ عزیز کو سامراجیت سے آزادی نہ ملتی اور امتِ مسلمہ اپنے حقوقِ اسلامیہ کو بھی حاصل نہ کر پاتی۔

استخلاصِ وطن کی تحریک میں دینی مدارس کے علماء وفضلاء کا جو رول رہا ہے،وہ ایک تاریخی ریکارڈ کا درجہ رکھتا ہے۔فضلائے مدارس نے ہی اسلام کی عزت وناموس کی پاسبانی کی اور بگڑی ہوئی معاشرت کو سنوارا۔ان مدارس سے وطن کے سپاہی،ملک کے محافظ اور مجاہدینِ ملت پیدا ہوئے ہیں،جنہوں نے باطل کے ایوانوں میں رخنہ پیدا کر دیا اور عملاً میدان میں اتر کر سرفروشی کی بھی سنت تازہ کر دی۔

ملک کی آزادی کے بعد ملت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو پھر سے جمع کرنا اور تنکے سے آشیانہ بنانا جیسے مشکل ترین کام کو صحیح معنوں میں مدارس کے تربیت یافتہ علماء نے ہی انجام دیا۔ملتِ اسلامیہ کی دست گیری کی اور اسے منزل جستجو میں سرگرم کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

اس سلسلے کا سب سے اہم پہلو تعلیم کے پھیلاؤ اور خواندگی کے مشن کو تحریک دینے اور آگے بڑھانے کا ہے "تعلیم سب کے لیے" کے فارمولے کے تحت مدارس ومکاتب نے بنیادی تعلیم کو اُن فقرزدہ اور خاک نشین طبقات کے لیے بھی آسان اور قابل حصول بنا دیا،جہاں تک پہنچنے میں حکومتی مشنریاں تھک ہار جاتی ہیں۔

تعلیم کے فروغ میں مدارس اور حکومت کی کارگردگی کا موازنہ کیا جائے تو مدارس کی خدمات نمایاں اور

محسوس شکل میں نظر آتی ہیں۔ ملک میں جو تعلیم گاہیں قائم ہیں، چاہے وہ ابتدائی وثانوی تعلیم کے عصری ادارے ہوں یا اعلیٰ تعلیم کے، وہ پرائیوٹ سطح پر چل رہے ہوں یا حکومت کی سرپرستی میں، بچوں کے والدین یا حکومت کی طرف سے اس کی مکمل کفالت کی جاتی ہے۔ جن والدین کے پاس مال ودولت کی کثرت ہے، وہ اپنے لختِ جگر کے لیے بڑی بڑی ڈگریاں آسانی سے خرید لیتے ہیں۔ ان اسکولوں میں ڈونیشن، ماہانہ اور سالانہ فیس بھی ادا کرنی پڑتی ہیں۔ گویا یہ اسکول اور کالج قوم کے فرزندوں سے روپے اینٹھتے ہیں، پھر انہیں تعلیم دیتے ہیں۔ ان کے برخلاف مدارس ہیں کہ وہ ملک کو دیتے بہت کچھ ہیں؛ لیکن لیتے کچھ نہیں۔

مفت تعلیم، جو ایک فلاحی ریاست کے تصور میں ترجیحی حیثیت رکھتی ہے، ملک کے مدارس اس کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ تعلیم کو ہر اعلیٰ وادنی طبقہ تک یکساں طور سے پہنچانے میں حکومتی اسکیمیں ناکام رہی ہیں؛ لیکن دینی مدارس کا تعلیمی وتنظیمی ڈھانچہ ہر طبقے کے لیے یکساں طور پر یکساں تعلیم کو یقینی بناتا ہے۔

خدمت خلق کے میدان میں دینی مدارس کے فضلاء کی خدمات نمایاں ہیں۔ قدرتی آفات اور دیگر مواقع پر مدارس کے فضلاء اپنی خدمات فراہم کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ یہ مدارس اپنے طلبہ میں محنت وجفاکشی کا مزاج پیدا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے مدارس کے فضلاء آج ایسے عہدوں پر نظر آتے ہیں جو ان کے اختصاص سے ہٹ کر ہیں۔ حال میں کئی یونیورسٹیوں کے ذمہ دار اساتذہ دینی مدارس کے فضلاء ہوئے ہیں اور اب تو جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ اور عالمی زبانوں پر حاوی ہونا ان کے لیے کوئی بڑی چیز نہیں رہ گئی۔

بہرحال امت کی تعلیمی حالت کو پروان چڑھانے، قوم وملت کو عزت وشرافت اور باوقار زندگی عطا کرنے اور ملک کی تعمیر وترقی کو فروغ دینے میں مدارسِ دینیہ نے اَن مٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔

مدارس مجموعی طور پر پورے ملک اور قوم کا اثاثہ ہیں، ان کی حفاظت اور نصرت واعانت کی کوششوں میں ہاتھ بٹانا ہر ایک کا فریضہ ہے۔

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

(مدارس اسلامیہ کے لیے لمحہ فکریہ اور اس کی سب سے بڑی ضرورت)

مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی*

گذشتہ دو تین ماہ کے دوران ملک کے متعدد صوبوں میں جانے اور مختلف دعوتی پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا، ان اسفار میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جس سے ایک مدرسہ کے طالب علم اور خادم ہونے کی حیثیت سے دل بیٹھ گیا۔

✷ ایک سیمنار میں شرکت کے دوران قریب کے ایک بڑے مدرسہ میں جانا ہوا، وقت کم تھا، مدرسہ کے تفصیلی معائنہ کی گنجائش نہیں تھی، اس لیے ہم نے معذرت کردی، لیکن بعض بڑے اساتذہ کا اصرار تھا کہ ہم کم از کم ان کے ایک اہم شعبہ کو ضرور دیکھیں، یہ کہہ کر وہ ہمیں کمپیوٹر کے شعبہ میں لے گئے، وہ اس شعبہ کا اس طرح تعارف کرا رہے تھے جیسے وہ اس مدرسہ کا سب سے بڑا اور اہم شعبہ ہو، وہ فخریہ انداز میں کہہ رہے تھے کہ ہمارے اس کورس کو حکومت بھی تسلیم کرتی ہے اور اس پر سرکاری ملازمت بھی ملتی ہے، ان اللہ کے بندوں کو ہمیں نہ شعبہ حفظ یا دارالحدیث یا دارالافتاء لے جانے کی ضرورت محسوس ہوئی، نہ کسی دعوتی شعبہ کی زیارت کرانے کی، نہ کتب خانہ دکھانے کی، جب کہ دکھانے والے بھی مدرسہ کے اساتذہ تھے اور دیکھنے والے بھی۔

✷ ایک مدرسہ کے ناظم نے اسی سفر میں بتایا کہ ہمارے مدرسہ میں طلباء کے لیے کرائے کھیل کا نظم ہے اور اس میں مہارت حاصل کرکے فارغ ہونے والے ہمارے ایک طالب علم کو جز وقتی ملازمت مل گئی ہے اور ان کی تنخواہ پچیس ہزار روپئے ہے، وہ اس کو اس طرح فخریہ انداز سے سنا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ عالمی سطح پر ان کے طالب علم کو قرآن مجید یا حدیث شریف کی کسی تحقیقی خدمت پر بڑا دینی وعلمی اعزاز مل گیا ہے۔

✷ مدارس کے کچھ فارغین سے ایک بڑے شہر میں ایک سیمنار کے دوران ملاقات ہوئی جو ایک یونیورسٹی میں بی، اے میں زیر تعلیم تھے، ہم نے ان سے پوچھا کہ اپنے مدارس سے فراغت کے بعد بھی یہاں آپ لوگوں نے داخلے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اور وہ بھی عربی کے لیے، کہنے لگے ہمارے مدارس کی سند کا اس وقت

*استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

سرکاری نوکریوں اور پرائیویٹ کمپنیوں میں کوئی اعتبار ہی نہیں، یہاں سے جب ہم فارغ ہوں گے تو ہماری ملازمتوں کا آغاز ہی دس بارہ ہزار روپے سے کم میں نہیں ہوگا، بات اس حد تک ہوتی تو مجھے حیرت نہیں ہوتی لیکن اس دوران میں نے ان میں سے اکثر طلباء کو جس ناگفتہ بہ شکل وصورت اور ظاہری حالت میں دیکھا اس سے سر شرم سے جھک گیا، اکثر فارغین کے چہرے صاف تھے، داڑھی کا نام ونشان تک نہیں تھا، ان شرٹ اور ٹی شرٹ کے ساتھ ٹخنوں سے نیچے ان کے پینٹ تھے، ٹوپی کا تو خیر کوئی سوال ہی نہیں تھا، پندرہ سال تک مسلسل مدرسہ میں قیام کے بعد یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی ایک ماہ میں ان کی تربیت وتعلیم پر پانی پھر گیا تھا، مزید وہ فخریہ کہہ رہے تھے کہ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اس یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا ورنہ دو تہائی سے زیادہ فارغین ہر سال اس یونیورسٹی کے اس شعبہ میں داخلہ سے محروم ہوتے ہیں۔

ان تینوں واقعات کے مرکزی کردار پر نظر دوڑائیے، پہلے میں اساتذہ مدارس دوسرے میں ذمہ دارانِ مدارس اور تیسرے میں طلباء مدارس، ان سب کی حالتوں اور گفتگو کا تجزیہ کیجیے تو صرف دو لفظوں میں اس کو یوں ادا کیا جاسکتا ہے ''مرعوبیت'' اور خود اپنی تعلیم پر عدم اعتماد، دوسرے الفاظ میں خود اعتمادی کا فقدان۔

آج ہمارے مدارس کے خلاف ہونے والی عالمی سازشوں کا ہر جگہ چرچا ہے کہ یہ دینی مدارس کے خلاف عالمی منصوبہ بندی ہے، حکومت کے مدرسہ بورڈ کے خلاف ہم چوکنا ہیں کہ اس سے مدارس کا وجود خطرے میں ہے، مدارس میں عصری علوم کی شمولیت کی تحریک پر ہم چیں بجبیں ہو جاتے ہیں کہ یہ ہمارے مدارس کی روح کے خلاف ہے، ہمارے یہ خدشات اور ہمارے یہ اندیشے برحق ہیں، لیکن اگر دوسری طرف نگاہِ بصیرت سے ان کی ان منصوبہ بندیوں کا جائزہ لیا جائے تو ان سب کے پس پردہ ان سازشوں کا مشترک محرک یہی ہے کہ ان سب ہمارے بدخواہوں کو نظر آرہا ہے کہ عالمی سطح پر پیدا ہونے والی اسلامی بیداری کے پیچھے ان ہی مدارس کا اہم رول ہے، اسی لیے ان کو اسلام کے حوالہ سے ہمارے ان مدارس سے خوف ہے اور وہ اس کو کسی طرح ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان اسلام دشمن طاقتوں کو ڈر اور خوف ہمارے مدارس کی پرشکوہ عمارتوں اور اس کے عظیم الشان کتب خانوں اور اس میں ہونے والے سیمناروں اور وہاں بڑھتی ہوئی طلباء کی تعداد اور عوامی رجحان سے نہیں بلکہ ان کو خوف وخطرہ اور دشمنی وعداوت اس اسلامی روح اور دینی اسپرٹ سے ہے جو ان مدارس کی امتیازی شان اور اس کا طرہ امتیاز ہے۔

ماضی میں بارہا ایسا ہوا کہ اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ناکام کوششیں کیں، لیکن جب انھیں احساس ہوا کہ مسلمانوں کو کسی بھی حال میں ختم نہیں کیا جاسکتا تو پھر یہ منصوبہ بنایا گیا کہ ان کو بظاہر

مسلمان رکھتے ہوئے ان کے اندر سے اسلام کی روح کو ختم کر دیا جائے، اس طرح کہ غیر شعوری طور پر وہ اسلام سے نکل جائیں اور فکری وتہذیبی ارتداد میں مبتلا ہو کر اسلام پر سے ان کا اعتماد ختم ہو جائے، اس میں وہ آج ہمیں کامیاب نظر آرہے ہیں، اس طور پر کہ وہ عالمی سطح پر اسلام سے دور فکری ارتداد میں مبتلا ایک بڑی مسلم نسل کو تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو بظاہر مسلمان ہے لیکن عملاً اسلام سے نکل چکی ہے، اب وہ یہی تجربہ مدارس اسلامیہ کے سلسلہ میں کرنا چاہتے ہیں، جب انھیں احساس ہو گیا ہے کہ ان دینی مدارس کا وجود کسی بھی حال میں ختم نہیں ہو سکتا تو یہ منصوبہ بنایا گیا ہے کہ پچھلے کامیاب تجربہ کی روشنی میں ان مدارس کو اسی حال میں رہنے دیا جائے البتہ اس کی روح کو ختم کر دیا جائے، جس کے نتیجہ میں وہاں سے فارغ ہونے والے علماء کے اندر احساس کمتری پیدا کی جائے اور دینی تعلیم کے سلسلہ میں خود اعتمادی کی دولت سے ان کو غیر محسوس طریقہ سے محروم کر دیا جائے، بظاہر ان مذکورہ واقعات کی روشنی میں ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں ہمارے ان مدارس کے سلسلے میں اپنے منصوبوں میں بتدریج ہی سہی کامیاب ہو رہی ہیں، جس کا احساس ہمیں گذشتہ چند سالوں سے مجموعی طور پر ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے اکثر طلباء کے رویوں، گفتگو اور ان کے طرز زندگی سے ہو رہا ہے، ورنہ کیا وجہ ہے ہمارے ذمہ داران مدارس کو اپنے مدارس کی سند کو سرکاری سندوں کے مساوی قرار دینے، اپنے یہاں اوپن یونیورسٹیوں اور اردو، عربی سرکاری کونسلوں کے سینٹر اور فارغین کے لیے انگریزی میں مہارت پیدا کرنے کے لیے کوچنگ کلاسس کھولنے کی فکر تو ہے، لیکن ہمارے ان فارغین میں خود ان کی دینی تعلیم پر ان کے اعتماد کو بحال کرنے، اخلاقی اعتبار سے ان کو علماء ربانیین کی سی زندگی گذارنے کی ترغیب دلانے اور دعوتی اعتبار سے ان کو تیار کرنے کے لیے کسی شعبہ کے قیام کے متعلق کوئی خبر سننے میں نہیں آرہی ہے؟ ہمیں تدریس کے لیے اچھے محدثین اور مفسرین کے فقدان کا شکوہ تو ہے لیکن فراغت کے بعد اس سلسلہ میں ان کی خصوصی تربیت کے لیے کسی مدرسہ کی طرف سے اس سلسلہ میں کسی نئی پیش رفت کی اطلاع نہیں مل رہی ہیں؟ جب ہمارے علماء وفارغین کو خود اپنی دینی تعلیم پر اعتماد نہیں ہوگا تو اگلی زندگی میں ان سے کسی بڑے کارنامے کی امید کیوں کی جاسکتی ہے؟ کچھ مدارس سے انگلیوں پر گنے جاسکنے والے علمی ودعوتی اعتبار سے ممتاز کچھ اچھے فضلاء کی مثال دے کر ہمارے اس تجزیہ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، اس لیے کہ مدارس سے فارغ ہونے والے سو طلبہ میں سے ایک دو اچھے طلبہ نکلتے ہیں تو اس کو اس مدرسہ کی خصوصیت نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ استثنائی صورت ہے، اگر یہ مدرسہ کی تعلیم وتربیت کا اثر ہوتا تو آدھے سے زیادہ طلباء کا اس طرح ممتاز ہو کر نکلنا ضروری تھا، یہ وہ طلبہ تھے جو کسی بھی مدرسہ میں ہوتے تو اسی امتیازی شان سے فارغ ہوتے، لیکن ہمارا حال یہ ہے اتفاقی طور پر دو چار اچھے

نکلنے والے اپنے فضلاء کے کارناموں سے ہماری رپوٹیں بھری رہتی ہیں، اس طرح کی تشہیر سے مدارس کی افادیت کے سلسلہ میں ہم اپنے مخالفین کا منھ تو بند کر سکتے ہیں، لیکن اللہ کے دربار میں اپنی جواب دہی سے بچ نہیں سکتے۔

یہ تجزیہ ہندوستان کے عمومی مدارس کے متعلق ہے، بعض مدارس کا اس میں یقیناً استثناء کیا جا سکتا ہے بالخصوص قدیم اور بڑے مدارس کا، لیکن مجموعی صورت حال اطمینان بخش نہیں ہے، اس پورے پس منظر میں ہمارے مدارس کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ دینی تعلیم کے سلسلہ میں ہم اپنے طلباء و فارغین میں خود اعتمادی کو بحال کرنے پر اولین فرصت میں توجہ دیں، ان میں اس وقت احساس کمتری کو ختم کرنے کے لیے ان کی اس طرح تربیت کریں کہ ان کے قدم دنیاوی زندگی میں ڈگمگا نہ سکیں اور بادصرصر کی مخالف ہوائیں ان کے قبلہ کی سمت میں رخنہ نہ ڈال سکیں، ان کی اخلاقی و دینی تربیت اور تزکیہ نفس کے لیے فراغت کے بعد ایک سالہ اور دو سالہ ایسے کورس ترتیب دیے جائیں جس طرح ہم افتاء، ادب اور عصری علوم کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں، اگر اس پر فی الفور توجہ نہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ چند ہی سالوں میں ہمارے مدارس تو اپنی جگہ باقی رہیں گے لیکن وہ اسلامی روح اور دینی جذبہ سے خالی ہو جائیں گے، نام تو مدارس کا ہوگا، تعلیم بھی عربی کی ہوگی اور اس کو چلانے والے بھی علماء ہوں گے، لیکن وہ نتیجتاً و عملاً دنیاوی میدان میں اپنے فارغین کو روزگار فراہم کرنے کے مراکز ہوں گے۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی و دعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہو جائیے اور اپنے دوست و احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

دینی اداروں کو بددیانتی سے بچائیں

از: مولانا مفتی سلمان منصور پوری

اسلام کی امتیازی ترین تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم امانت و دیانت کا اہتمام کرنے اور خیانت اور بددیانتی سے مکمل اجتناب کی بھی ہے جو شخص امانت دار نہ ہو وہ مکمل مومن کہلائے جانے کا حق دار نہیں ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له (مسند احمد: ۳/ ۱۳۵)

جس شخص کے پاس امانت نہیں ہے اس کا ایمان (کامل) نہیں اور جو عہد کی پاس داری نہ کرے اس کے پاس (گویا کہ) دین ہی نہیں۔

اور اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں امانتوں کو ادا کرنے کا حکم اس طرح فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ (النساء: ۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو۔

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے چھ باتوں کی ضمانت لے لو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں ان میں سے ایک یہ بات ارشاد فرمائی: و ادوا اذا ائتمنتم (مسند احمد: ۵/ ۳۲۳) یعنی جب تمہیں امین بنایا جائے تو اُسے (جوں کا توں) حق دار کو ادا کرو۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی علامتیں شمار کراتے ہوئے ارشاد فرمایا: و لیود امانته اذا أتمن (مشکوٰۃ شریف: ۲/ ۴۲۴) اور جب اُسے امین بنایا جائے تو وہ اپنی امانت ادا کردے۔ اس کے برخلاف شریعت میں خیانت کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور منافق کی خاص علامتوں میں خیانت کو شمار کرایا گیا ہے۔ (بخاری شریف: ۱/ ۱۰)

بریں بنا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ امانت کی صفت سے متصف رہے اور خیانت و بددیانتی سے پوری طرح نفرت رکھے، اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، محدث ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ انسان کے ہر گناہ کا کفارہ بن سکتی ہے مگر امانت میں خیانت کیلئے وہ کفارہ نہیں بنے گی، اس مقتول فی سبیل اللہ کو قیامت کے دن بارگاہِ رب العالمین میں حاضر کیا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کر! وہ عرض کرے گا میں کیسے ادا کروں دنیا تو ختم ہو چکی؟ تو اچانک اُسے اپنی امانت جہنم کے گہرے گڑھے میں دکھائی دے گی، چنانچہ وہ وہاں جا کر اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے گا لیکن وہ (بوجھ کی وجہ سے) اس کے کاندھے سے کھسک جائے گی اور یہ خود بھی اس کے ساتھ جہنم میں گر پڑے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

امانت کا مفہوم

حضرات مفسرین اور شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ میں امانت کا لفظ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس سے صرف وہی امانت و ودیعت مراد نہیں جو ایک انسان دوسرے کے پاس بطور حفاظت رکھتا ہے اگرچہ اس کی حفاظت بھی لازم ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کا امین کو حق نہیں ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر امانت کا مفہوم انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو شامل ہے جس کی اگر شرح کی جائے تو الفاظ کم پڑ جائیں گے مگر امانت کے ہمہ گیر مفہوم کا احاطہ نہ ہو سکے گا مثال کے طور پر:

الف: تمام عبادات کو تمام شرائط و آداب کے ساتھ بجالانا امانت ہے اور اس میں کمی کوتاہی کرنا خیانت ہے۔

ب: بندوں کے تمام حقوق کو بجالانا امانت ہے اور اس میں ناانصافی کرنا خیانت ہے۔

ج: انسانی اعضاء و جوارح کو عبادت اطاعت اور رضائے خداوندی کے کاموں میں لگانا امانت کی ادائیگی ہے اور اس کے برخلاف کرنا خیانت اور بددیانتی ہے۔

د: انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سکنڈ اللہ کی امانت ہے ان اوقات کو خیر کے کاموں میں صرف کرنا امانت ہے اور انھیں ضائع کر دینا خیانت ہے۔

ہ: اگر ہم طالب علم ہیں تو علم، کتاب، اساتذہ، اور ادارہ کے حقوق کو پورا کرنا امانت ہے اور اُنھیں پامال کرنا کھلی ہوئی خیانت ہے۔

و: اگر ہم استاد ہیں تو ہمارے سے متعلق طلبہ ہمارے پاس امانت ہیں ان کی صحیح تربیت اور ان کے ساتھ کما حقہ خیر خواہی امانت کی ادائیگی ہے اور ان کی خیر خواہی میں کوتاہی کرنا بدترین خیانت ہے، اگر ہم کسی ادارہ کے ذمہ دار اور مسئول ہیں تو اس کے تمام حسابات اور کاغذات کو درست رکھنا ہے اور اس میں کوتاہی کرنا بدترین خیانت ہے۔

الغرض زندگی کے ہر موڑ پر امانت ہماری رہنما ہونی چاہیئے، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کسی طرح کی خیانت سے ہمیں دور رہنا چاہیئے، اس سے بڑی کوئی اور نصیحت اس دور میں نہیں ہو سکتی ہر کام کرتے وقت ہمیں

اپنے ضمیر اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ضرور کرنا چاہیئے جبھی ہم زندگی کے ہر موڑ پر امانت و دیانت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں دیانت کا فقدان

رازدارِ رسول سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے ایک روایت میں بیان فرمایا کہ ایک دور وہ تھا کہ میں معاملہ کرتے وقت جس سے چاہتا بے دھڑک معاملہ کر لیتا کیوں کہ اگر وہ شخص مسلمان ہوتا تو اس کی دین داری اُسے میرے پاس لے آتی اور اگر وہ غیر مسلم ہوتا تو حاکم وقت کا ڈر اُسے صحیح معاملہ کرنے پر مجبور کر دیتا لیکن آج کی تاریخ میں حال یہ ہے کہ میں صرف فلاں فلاں شخص ہی سے معاملہ کرتا ہوں۔ (مسلم شریف: ۱/ ۸۲)

یعنی میرے دیکھتے ہی دیکھتے امانت و دیانت کے اعتبار سے لوگوں میں اس قدر انحطاط ہو گیا کہ اب امانت داروں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، حضرت حذیفہؓ کا یہ تبصرہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا ہے جوں جوں زمانہ خیر القرون سے دور ہوتا جا رہا ہے اسی رفتار سے لوگوں کے دلوں سے امانت و دیانت کے جذبات خارج ہوتے جا رہے ہیں عوام کا تو پوچھنا ہی کیا وہ لوگ جو خواص کہلاتے ہیں ان کی زندگیاں بھی امانت و دیانت سے خالی ہوتی جا رہی ہیں، وہ لوگ جو مسند درس اور منصب خطابت پر بیٹھ کر امانت کے موضوع پر خطاب کے جوہر دکھاتے ہیں، جب ان کی نجی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہاں امانت کا نام و نشان نظر نہیں آتا ہے۔ مالی معاملات میں بے احتیاطی اس قدر عام ہوتی جا رہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا ڈر باقی ہی نہیں رہا، خواص کی اس بد دیانتی کی وجہ سے قوم کے اعتماد اور اہل دین کے وقار کو سخت نقصان پہونچ رہا ہے، جس پر اگر دیانت داری سے توجہ نہ دی گئی تو پوری ملتِ اسلامیہ سخت مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہو سکتی ہے۔

بعض اہلِ مدارس کی بد دیانتی

ہمیں سب سے پہلے خود اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے، ہمارا تعلق چوں کہ طبقہ اہلِ مدارس سے ہے جو ملت کے دینی تحفظ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں سب سے پہلے اپنے اندر پائی جانے والی بے احتیاطی کو دور کرنے پر محنت کرنی چاہیئے؛ کیوں کہ اگر ملت کی اس ریڑھ کی ہڈی میں بد دیانتی کا گھن لگ گیا تو پھر ملت کی خیر نہیں ہمیں نہایت افسوس بلکہ شرم کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج مدارس سے تعلق رکھنے والے ہمارے بعض بھائیوں نے امانت و دیانت کو بالائے طاق رکھ کر نہایت بے غیرتی کے ساتھ محض مالی منفعت کو اپنا مقصود بنا لیا ہے اور چندہ کی مقدار بڑھانے کے لئے ایسے ایسے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں جو پورے طبقۂ علماء کو بدنام کرنے کے لئے کافی ہیں، شہر مراد آباد میں خدام مدرسہ شاہی کو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مدارس کے سفراء کی تصدیق کے لئے ان کے کاغذات اور تعارفی لٹریچر کا

گہرائی سے جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے، نیز اس دوران شہر میں سفراء مدارس کی نازیبا حرکتوں کا بھی علم ہوتا رہتا ہے جس کو سن کر اور دیکھ کر جو دلی تکلیف پہونچتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، اس سال ماہِ مبارک میں کئی ایسی بددیانتیاں سامنے آئیں جن کا تذکرہ اور ان پر تنبیہ ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ ہمیں اپنی بے احتیاطیوں کا اندازہ ہو اور آئندہ ان سے بچنے کا پختہ ارادہ دل میں کیا جائے وہ چند افسوس ناک باتیں یہ ہیں:

(۱) بعض مدارس طلبہ کی تعداد زیادہ بڑھا کر لکھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں، جب کہ وہ واقعہ کے بالکل خلاف ہوتی ہیں، ایک مدرسہ جہاں مشکل سے بیس پچیس بچے پڑھتے ہوں گے اس کے سفیر نے دوسری جگہ جا کر پوری ڈھٹائی کے ساتھ پانچ سو طلبہ کی تعداد بیان کی، جو محض جھوٹ ہے۔

(۲) متعدد مدارس کی طرف سے یہ دھاندلی سامنے آئی کہ انھوں نے رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کی سند ارتباط اور دیگر تصدیقات کی فوٹو اسٹیٹ کرا کے مدرسہ کی جگہ پر چی لگا کر خود اپنے ہاتھ سے مدرسہ کا نام لکھ لیا اور ایک مدرسہ والے نے تو غضب کر دیا کہ اوپر دارالعلوم دیوبند کا پیڈ اور نیچے حضرت مہتمم صاحب کی دستخط فوٹو کرا کے درمیان میں خود اپنے ہاتھ سے اپنے مدرسہ کے لئے تصدیق لکھ کر چسپاں کر دی اور پھر فوٹو کاپی کرا کے دونوں کو ملا دیا۔

(۳) اور یہ شکایت تو متعدد لوگوں سے معلوم ہوئی کہ کچھ مدارس والے پرانی رسید پر جھوٹ موٹ رقم لکھ کر یا پرانی رقم میں بڑھا کر معطی کے سامنے دھاندلی سے پیش کرتے ہیں اور اس طرح ان سے زیادہ رقمیں وصول کر رہے ہیں، تو اس طرح کی بے ایمانی کو دینے والے انسان سے تو ممکن ہے کہ چھپا لیا جائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جو عالم الغیب والشھادہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی اور اس طرح جو بھی رقم حاصل کی جائے گی اس میں ہرگز برکت نہیں ہوسکتی وہ لینے والے کے لئے وبال بنے گی اور ادارہ کے لئے بدترین نقصان کا باعث ہوگی۔

(۴) مرادآباد کے ایک بڑے مخیر صاحب خیر جو ہر سال کئی لاکھ روپیہ کی زکوٰۃ نہایت اکرام کے ساتھ سفراء کو تقسیم کرتے تھے انھوں نے خود راقم الحروف سے بیان کیا کہ وہ ہر سال کا ریکارڈ رمضان ختم ہونے کے بعد تلف کر دیا کرتے تھے لیکن پچھلے کئی سالوں سے جب انہیں دھاندلی کا شبہ ہوا تو انھوں نے تمام رسیدیں کمپوٹر میں ڈلوا دیں اور اس سال جب سفراء آنے شروع ہوئے تو انھوں نے پچھلی فہرست سے ملانا شروع کیا تو پتہ چلا کہ بعض بعض مدارس ایک ہی مدرسہ کی پندرہ پندرہ رسیدیں کاٹ کر لے گئے جس کی وجہ سے انھیں نقد تقسیم کا سلسلہ بند کرنا پڑا اور منی آرڈر سے رقومات بھیجنے کا فیصلہ کیا اور بھی کئی حضرات نے تنگ آ کر یہی طریقہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھی اور اگر بے ایمانی اور بددیانتی کا تسلسل یوں ہی جاری رہا تو تمام بڑے بڑے صاحبِ

خیر حضرات یا تو بدظن ہو کر مدارس کو زکوٰۃ دینا بالکل بند کر دیں گے یا بذریعہ ڈاک تھوڑی بہت رقم جاری رکھیں گے، ان چند لوگوں کی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے بلا امتیاز تمام مدارس کا اعتماد مجروح ہو رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مدارس کے لئے غیر مسلم فرقہ پرستوں کی سازشوں سے زیادہ خطرناک اور ان کے کردار کو مجروح کرنے والے یہی نادان دوست ہیں جو چند ٹکوں کی خاطر مدارس کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں اس میں ان کا نقصان ہو یا نہ ہو مدرسوں کا سخت ترین نقصان ہے۔

(۵) عام طور پر احقر کا معمول یہ رہا کہ جس مدرسہ کو خود دیکھا ہو یا جن مدارس کا معتبر علماء نے معائنہ کیا ہو اس کی تصدیق میں کوئی تامل نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود یہ دیکھ کر سخت اذیت ہوئی کہ بعض مدارس کے سفراء نے احقر کے نقلی دستخط بنا لئے یا چپی وغیرہ لگا کر دوسرے معتبر مدرسہ کے لئے کئے جانے والے دستخط فوٹو اسٹیٹ کے ذریعہ اپنے مدرسہ سفارت نامہ پر لگا لیا، ظاہر ہے کہ یہ ایسی کھلی ہوئی بے غیرتی ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

ذرا سوچیں!: ذرا غور تو کریں! اگر اہل مدارس ہی دیانت کا دامن چھوڑ دیں گے تو آخر دنیا میں کون سی مخلوق دیانتدار کہلائی جائے گی، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ''جب کوئی قوم ناپ تول میں میں کمی کرنے لگتی ہے (جو خود ایک قسم کی دھاندلی اور بددیانتی ہے) تو اس کا رزق تنگ کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جس مدرسہ کے ذمہ داران بے ایمانی سے چندہ حاصل کریں گے وہ کبھی بھی چین سے بیٹھ نہیں سکتے، اور کبھی بھی انہیں مالی وسعت نصیب نہیں ہو سکتی، جو لوگ اس طرح کی حرکتوں میں ملوث ہیں وہ بلاشبہ پورے طبقہ کی بے عزتی کا ذریعہ بن رہے ہیں، اور جو مدارس صحیح کردار کے حامل ہیں اور ان کے ذمہ داران ماشاء اللہ صاحبِ دیانت اور اہل ورع وتقویٰ ہیں ان کو مشکوک قرار دینے میں بھی بددیانت افراد کا ہاتھ ہے۔

اس لئے خدا کے واسطے دین اور اہل دین پر رحم کھانا چاہیئے اور ہمیں ایسی ذلت ناک حرکات سے پوری طرح بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے اسکے بغیر ہمیں عزت ووقار کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا اگر کسی کو دولت کمانی ہے تو وہ جائز کاروبار کرلے، کچھ نہ ملے تو مونگ پھلی بیچ کر یا ٹھیلہ لگا کر حلال پیسہ حاصل کرلے مگر اپنی مذبوحی حرکتوں سے دینی اداروں کو بدنام نہ کرے اور مدارس وغیرہ کو لمیٹیڈ کمپنی میں تبدیل نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ورع وتقویٰ اور امانت ودیانت سے مالا مال فرمائے اور ہر قسم کی مالی بے احتیاطوں سے اور قولی وعملی خیانتوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

(ماخوذ: لمحاتِ فکریہ)

دعوت دین - ایک اہم فریضہ

از: مولانا محمد مونس قاسمی

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت دعوت بنا کر بھیجا اور اس کا خاص وصف یہ قرار دیا کہ وہ انسانیت کو سیدھے راستہ کی طرف بلائے، چنانچہ ارشاد ہوا: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو نیز فرمایا: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا "اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی و معیاری امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ (اور ان پر نظر رکھنے والے) ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں۔

چنانچہ یہ ایک معتدل اور معیاری اور لوگوں کی گواہ اور ان پر نظر رکھنے والی امت ہے، دیگر انسانی گروہوں پر نظر رکھنے اور ان کی غلط کاریوں کی نشاندہی کرنے والی امت ہے۔ جب اس کو یہ منصب دیا گیا ہے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ اس منصب کا حق ادا کرے۔

دعوت اسلامی کے تناظر میں اگر ہم ہندوستان کا جائزہ لیں تو یہاں دعوت کے امکانات دوسرے خطوں کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

الف: ہندوستان کی مٹی میں حد درجہ جذبہ احسان مندی پایا جاتا ہے۔ خصوصاً ہمارے برادرانِ وطن ہندو قوم کے اندر یہ جذبۂ احسان مندی اس درجہ موجود ہے کہ یہ قوم اپنے محسن اور بہی خواہ کے سامنے ماتھا ٹھیک کر جذبۂ منت شناسی کے غلو میں اس کی پوجا کرنے لگتی ہے۔

ب: اسی ملک کی مٹی میں مذہب سے والہانہ تعلق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور مذہب پر قربان ہونے کا جذبہ حد درجہ اس ملک کے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ انسان مذہب کے تئیں قربانی خدا کی خوشنودی کے لیے دیتا ہے۔ اگر اس قوم کے لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ شرک اور بت پرستی کا یہ راستہ جس کے لیے آپ قربانی دے رہے ہیں، غلط بلکہ اللہ تعالیٰ کو انتہا درجہ ناراض کرنے والا ہے، اللہ کو راضی کرنے کی راہ صرف اسلام ہے، تو یہ قوم

اسلام کے لیے کہیں زیادہ قربانی دینے کو تیار ہو جاتی ہے۔

ج: اس ملک کے خمیر میں روحانیت رچی بسی ہے اور اسلام کی حقانیت اور روحانیت کا تعارف اس قوم کے لیے بڑا پرکشش ہوتا ہے۔

د: ایک بڑا اہم پہلو یہ ہے کہ برادرانِ وطن ہندو قوم میں اکثر افراد محض رسمی ہندو ہیں اور شعوری ہندو اس ملک میں برائے نام ہیں۔ چنانچہ جناب مولانا کلیم صدیقی صاحب (مشہور داعی و مبلغ) بیان فرماتے ہیں کہ "راقم سطور سے ہندوستان میں ہندو قوم کی مرکزی مذہبی کتابوں، ویدوں پر سند سمجھے جانے والی شخصیت جناب پنڈت راجندر پرشاد شرما نے بڑی ذمہ داری سے یہ بیان کیا کہ ہمارے ملک میں دسیوں ہزار میں سے کوئی ایک آدھ ہندو اپنی مرکزی مذہبی کتاب ویدوں کے درشن کر پاتا ہے اور لاکھوں میں ایک، دو ویدوں کا پاٹھ کر پاتے ہیں اور اخیر میں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ بات بتائی کہ پورے ملک میں جہاں ایک ارب کی آبادی ہے ایک سو سے زیادہ ویدوں کو سمجھنے والے لوگ نہیں ہیں، گویا ایک کروڑ میں ایک ویدوں کو سمجھنے والا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ شعوری طور پر کوئی ہندو رہ بھی نہیں سکتا۔ (اور کیوں نہ ہو جبکہ یجر وید جیسی قدیم کتاب میں اس طرح کے منتر موجود ہیں کہ "خدا کی مورت وشکل نہیں ہے۔" یجر وید ۳-۳۲، بحوالہ ہندو ازم) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قوم کا اپنے مذہب سے تعلق بہت رسمی ہے، اس لیے اس قوم میں دعوت کا کام بہت آسان ہے۔"
(افکار، اگست ۲۰۰۷)

دعوتی عمل کا کوئی متعین طریقہ نہیں۔ یہ داعی کی اپنی صواب دید پر ہوتا ہے کہ حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ کس مزاج و ماحول میں کیا طریقہ کار مفید ہوگا۔ تاہم بطور نمونہ چند امور پیش ہیں:

✷ داعی کے لیے پہلا قدم مدعو سے تعارف اور دوستی ہے۔ تعارف حاصل کرنا آسان بھی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں جن برادرانِ وطن سے ملنا جلنا ہوتا ہے ان میں سے دو تین افراد کا انتخاب کر لیا جائے، مثلاً پڑوس یا محلہ میں یا سفر کے دوران یا کسی تقریب اور پروگرام میں ملاقات ہوتی ہو وغیرہ۔

ابتدائی تعارف میں داعی اور مدعو کے درمیان نام و رہائش، تعلیم، پیشہ، گھر اور خاندان سے متعلق موٹی موٹی تفصیلات پر مشتمل معلومات کا تبادلہ خیال آپس میں ہو سکتا ہے۔ داعی ملاقاتوں و روابط کے اس سلسلہ کو جاری رکھے۔ ابتداء میں اگر اسلام پر راست گفتگو نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں ہے ایسی ملاقاتیں اور روابط بے کار ثابت نہ ہوں گے۔ دراصل مسلمانوں اور برادران وطن کے درمیان جو دوری اور خلیج پائی جاتی ہے اسے دور کرنے کے لیے اس طرح کے روابط ضروری ہیں۔

✷ اس دوران دعوتی گفتگو یا مطالعہ کے لیے مختصر کتابچے وغیرہ دیے جاسکتے ہیں۔ گفتگو زیادہ تر اصولی باتوں پر مرکوز ہونی چاہیے۔ قرآن نے مدعوئین سے گفتگو کے سلسلہ میں ایک اہم رہنمائی کلمہ مشترک کی تلاش اور اس پر گفتگو کرنے کے بارے میں دی ہے۔ مثلاً مدعو خدا کو مانتا ہے۔ داعی اس نکتہ پر گفتگو کر کے اسلام کے تصور توحید، ایمان باللہ اور اس کے عملی تقاضوں کو حکمت کے ساتھ پیش کرے۔

✷ دعوت پہنچانے کے بعد نتیجہ دیکھنے کے لیے داعی کو جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ روابط کا سلسلہ برقرار اور اسلام پر گفتگو جاری رکھے۔ پیش کش اور برتاؤ میں نرمی اور محبت کا غلبہ ہونا چاہیے۔

✷ مدعو جب اسلام کا کچھ مطالعہ کرلے تو عملی تعلیم و تجربہ کے طور پر دو چار دفعہ اپنے ساتھ مسجد لے کر جائیں، تاکہ عبادات کی عملی شکل و کیفیت اس کے سامنے آئے۔ علاوہ ازیں دعوتی پروگراموں مثلاً درس قرآن اور خطابات عام وغیرہ میں برادرانِ وطن کو بھی شریک کرایا جاسکتا ہے۔ ابتدائی دعوتی کتب کے مطالعہ کے بعد قرآن مجید کا ۳۰واں پارہ مترجم دینا مناسب ہوگا۔ مدعوئین کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو ڈاک سے کتابچے وغیرہ روانہ کیے جاسکتے ہیں۔ خط و کتابت سے بھی دعوتی ربط پیدا کیا جاسکتا ہے۔

دعوت کے اجتماعی طریقے:

انفرادی دعوت کے علاوہ اجتماعی طور پر چند مسلمان بھائی مل جل کر بھی دعوت کا کام کرسکتے ہیں۔ ذیل میں بعض اجتماعی دعوتی پروگراموں کو درج کیا گیا ہے جو دعوت پہنچانے کے لیے موثر ثابت ہوسکتے ہیں۔

✷ ایک چھوٹا سا وفد بنا کر بنیادی دعوتی کتب وغیرہ کے ساتھ اپنے علاقہ کی منتخب غیر مسلم شخصیتوں سے ملاقاتیں کی جاسکتی ہیں۔ ماہ ڈیڑھ ماہ بعد دوسری بار ان شخصیتوں سے ملنا چاہیے اور کتابوں پر ان کے تاثرات، سوالات اور الجھنوں کو معلوم کرنا چاہیے اور جواب دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

✷ مظلوم اور پسماندہ طبقات پر آئے دن ظلم و ستم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا وفد ان تک پہنچ کر اظہارِ ہمدردی کرے ان کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش اور تعاون کرنے کی سعی کرے۔

✷ کسی آبادی یا بڑے شہر کے ایک ایریا میں مسلمان مل جل کر برادرانِ وطن کے لیے عید ملن کا پروگرام منعقد کریں، مختصراً قرآن مجید، رمضان، روزہ اور عید پر اظہار خیال کے بعد شرکاء کی ضیافت کریں اور تعارفی کتابچے وغیرہ انھیں دیں۔

✷ برادرانِ وطن کے کسی منتخب علاقہ (بالخصوص دلت طبقہ) میں اسلامی کتابوں اور رسالوں پر مشتمل لائبریری کا نظم کیا جانا چاہیے۔

✷ کسی مقام پر منتخب برادرانِ وطن کے لیے اجتماعی محفل منعقد کی جاسکتی ہے۔ ۵ تا دس ۱۰ افراد کے اس پروگرام میں قرآن اور پیغمبر اسلام کا تعارف اور اسلام کی دعوت مختصراً پیش کی جاسکتی ہے۔ سوالات کے جوابات دیے جائیں۔ شرکاء کو دعوتی لٹریچر بھی دیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ پروگراموں کو ایک مرتبہ کرکے چھوڑ نہیں دینا چاہیے بلکہ یہ سلسلہ مستقل طور پر چلتا رہے۔ داعی کو جزئیات اور طویل گفتگو سے بچتے ہوئے اصولی باتوں تک اپنی گفتگو کو مرکوز رکھنا چاہیے۔

✷ داعی اپنے مدعو کی ذاتی زندگی، اس کے مسائل اور پریشانیوں میں دلچسپی لے کر مشورہ دے۔ تعاون کرے اور ہمدردی وغم گساری کا رویہ اختیار کرے تو اس کے بہت گہرے اثرات پڑتے ہیں۔

داعی کی تیاری:

دعوتی کام کے لیے سب سے پہلے خود اپنی علمی، فکری اور عملی تیاری ناگزیر ہے۔ داعی اپنے مدعو کے سامنے بہتر سے بہتر عملی کردار پیش کرے۔ علمی تیاری کے لیے قرآن وتفسیر میں غور وتدبر کے ساتھ منتخب احادیث، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ کا مطالعہ کرے اور سیرت کے بعض اہم واقعات کو نوٹ کرے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی، انسانوں سے محبت، سادہ زندگی، عفو ودرگذر (فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں کو معاف کردینا) ان واقعات سے برادرانِ وطن بے حد متاثر ہوتے ہیں۔

چند امور سے اجتناب:

✷ دعوت اور داعی کے وقار کو نقصان پہنچانے والا رویہ اختیار نہ کرے۔

✷ مناظرانہ انداز اور بحث وتکرار سے ہر حال میں گریز کرے۔

✷ غیر حکیمانہ انداز اور مدعو پر کسی بات کو مسلط کرنے کا انداز نہیں ہونا چاہیے۔ مدعو کے اندر ہٹ دھرمی، ضد اور نفرت نہ پیدا ہونے دے۔

✷ جلد بازی اور فوری نتیجہ پانے کے لیے مدعو پر اصرار نہ کرے۔ گفتگو اصولی باتوں پر پہلے کرنے کی کوشش کرے۔

اسی طرح اختلافی باتوں کو بنیاد بنا کر دعوت پیش نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن مجید کی روشنی میں کلمہ سواء یعنی مشترک بنیادیں مثلاً ایک اللہ کا تصور وغیرہ پر گفتگو کرنا چاہیے۔ وجود الٰہ سے آگے بڑھ کر عملی تقاضے اور زندگی پر اثرات ونتائج سمجھانا چاہیے۔

آج زمینی صورت حال یہ ہے کہ اس اہم شعبہ کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل

دین وعلم حضرات اس عظیم الشان امر دین کو اپنی توجہات کا مرکز بنائیں اور اس کو معمولی یا ناقابل عمل کام نہ سمجھیں اس سلسلہ میں اَکابر واسلاف رحمہم اللہ کا موقف ورائے کیا ہے؟ ذیل میں پیش خدمت ہے تاکہ مزید فکر وعمل کو مہمیز ملے۔ اور اس کار عظیم کی نزاکت واہمیت معلوم ہو سکے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ:

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ دعوت دین کو بالخصوص غیر مسلموں کے لیے خاص کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہنچانا چاہیے کیونکہ اوّل تو یہ بات مروت وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے۔ دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ہیں ان کے سامنے اس کے محاسن بیان کریں"

ہماری یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ تو اس کام کو معمولی کام سمجھتے ہیں اور جو لوگ اس کی ضرورت ومرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر ومدارات ہوتی ہے، کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا کیونکہ خاطر ومدارات کہاں؛ بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص: ۲۸۷)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ:

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ دعوت دین کے مفہوم کے تعلق سے پائی جانے والی عمومی غلط فہمی کو دور کرنے کی خاطر اپنی کتاب دعوت دین کے قرآنی اصول کے ایک مخصوص عنوان "ایک غلط فہمی کا ازالہ" کے تحت لکھتے ہیں: "تبلیغ اسلام کے معنی مسلمانوں کو عباداتی رنگ کے کچھ احکام پہنچا دینے اور انہیں وابستہ کر لینے کے نہیں ہیں کہ جس کے بعد یہ سمجھ لیا جائے کہ فریضہ تبلیغ ادا ہو گیا یا ارباب تبلیغ فرائض دعوت سے سبکدوش ہو گئے مجھے اس انداز کی کسی دعوت خاص کی ضرورت وافادیت سے اگرچہ انکار نہیں لیکن اسے فریضہ تبلیغ سے سبکدوشی سمجھ لیا جانا قرآن کے اصول تبلیغ کی روشنی میں یقیناً صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ جزوی تبلیغ، تذکیر واصلاح کے عنوانات سے یاد کی جا سکتی ہے مگر عرف شریعت کے لحاظ سے اسے تبلیغ نہیں کہا جا سکتا"

اپنی اسی تصنیف میں ایک مقام پر فرماتے ہیں: "اس لیے میری ناچیز رائے یہ ہے کہ اگر سب نہیں تو کم از کم ارباب علم وبصیرت کی ایک جماعت سارے موہوم منصوبوں کو چھوڑ کر دعوت الی اللہ کے لیے کمر بستہ ہو جائے اور اپنوں سے گزر کر دوسری اقوام کے ساتھ انتہائی خیر خواہی سے انہیں دین حق کی طرف مائل کرنے پر لگ

جائے اور اس کی زندگی کا واحد نصب العین غیروں کے سامنے اسلام پیش کرنا اور انہیں دعوت حق دینا ٹھہر جائے۔"

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ:

مولانا محمد زکریا صاحبؒ (جو تبلیغ کے حوالہ سے محتاج تعارف نہیں) مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں میں بھی ین کی تبلیغ کی آرزو اور تڑپ رکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ الحدیث کے خلیفہ مولانا یوسف متالا (مہتمم دارالعلوم-برطانیہ) ایک مضمون میں عام انسانوں میں دعوت دین کے لیے شیخ الحدیث کی بے چینی کے تعلق سے رقم طراز ہیں: "غالباً ۱۹۷۹ / کی مدینہ طیبہ حاضری کے دوران ایک روز احقر حضرت کی قیام گاہ کے برابر خدام والے حجرے میں تھا کہ حضرت کے خادم محمد اعجاز چمپارنی آئے اور فرمایا حضرت یاد فرمارہے ہیں تو حضرت نے زاروقطار روتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سن یہ کیا کہہ رہا ہے۔ بھائی اعجاز صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ وہ عوام الناس جنھوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا ہے اور جنھیں اسلام کی کوئی تبلیغ نہیں کی گئی کیا انہیں عذاب ہوگا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا اس پر ضرور کام ہونا چاہیے اور اس موضوع پر اسلام کے محاسن پر کتابیں ہونی چاہئیں۔ (بحوالہ اقراء ڈائجسٹ، کراچی، نومبر ۱۹۷۶)

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ:

دعوت کی ترجیح کے حوالہ سے مولاناؒ فرماتے ہیں: "انبیاء کرام علیہم السلام کے طرز دعوت وتبلیغ میں اصل مخاطب غیر مسلموں ہی کو بنایا جاتا ہے اور ان کے سخت دلوں کو ایمان ویقین، سوز دروں، اخلاص اور اسوۂ حسنہ کی روشنی وگرمی سے موم بنا کر ایمان وعمل کے سانچہ میں ڈھالا جاتا ہے اور جب اس طرح مومنوں کی امت دعوت، تیار ہوجاتی ہے تو اسے نبوی تعلیمات سے آراستہ کر کے غیر مسلموں "امت اجابت" کو اللہ کے دین کی طرف مدعو کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور یہ کار نبوت پوری امت کے اہل افراد پر فرض قرار دیا جاتا ہے اور امتِ مسلمہ کو تو اسی دعوت کے لیے خیر امت قرار دیا گیا ہے۔" (ماخوذ: دعوت اسلام ایک اہم فریضہ)

سوشل میڈیا کا منظم استعمال وقت کی اہم ضرورت

مولانا منور سلطان ندوی*

گذشتہ دو دہائیوں میں سوشل میڈیا نے عالمی انقلابات میں جو زبردست کردار ادا کیا ہے، وہ اہل فکر ونظر سے مخفی نہیں، تیونس کے انقلاب سے لے کر مصر وشام کے انقلاب تک سوشل میڈیا کی کارفرمائی ظاہر ہے، گذشتہ چند ماہ قبل ترکی میں صدر رجب طیب اردگان کے خلاف ہونے والی زبردست بغاوت کی ناکامی بھی اسی سوشل میڈیا کی مرہون منت ہے، خود ہمارے ملک میں متعدد ایسے واقعات ہیں جنہیں ملکی میڈیا نے نظر انداز کیا، مگر سوشل میڈیا میں خبر وائرل ہونے کی وجہ سے اصل میڈیا کو اس کی طرف توجہ دینی پڑی۔ سوشل میڈیا کی حیرت انگیز قوت اور ناقابل تصور اثر کی وجہ سے دنیا کی ہر قوم، اور مختلف نظریات کے علمبردار اپنے افکار ومعتقدات (ideology) کو موثر طریقہ پر لوگوں تک پہونچانے کے لئے ان ذرائع کا استعمال پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کر رہے ہیں، خود سیاسی جماعتیں اپنی پارٹیوں کے اثر ونفوذ کو بڑھانے اور اپنی پارٹی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ان ذرائع کا استعمال بڑی چابک دستی سے کر رہی ہیں، اور اس مقصد کے لئے اپنے بجٹ کا بڑا حصہ خرچ کر رہی ہیں، گذشتہ الیکشن میں زعفرانی پارٹی کی کامیابی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اس سوشل میڈیا کی کیمیا اثری کو بھی سمجھا گیا ہے۔

اس تناظر میں غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس بارے میں مسلمانوں کا کیا حال ہے، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کا وجود صفر کے برابر ہے، ایسا نہیں کہ مسلمان سوشل میڈیا کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں، اور نہ ایسا ہے کہ مسلمانوں کا بڑا طبقہ اس سے جڑا نہیں ہے، لیکن بحیثیت مجموعی سوشل میڈیا پر اس کی سرگرمیوں کا مرکز تفریحی پروگراموں اور کسی قدر خبروں کے علاوہ اور کیا ہے، اصل میں یہ مسئلہ عوام کا نہیں بلکہ خواص امت کا ہے، انہیں یہ طے کرنا چاہیے کہ سوشل میڈیا جیسے اہم، موثر اور طاقتور ذرائع کے بارے میں مسلمانوں کا موقف کیا ہو، سوشل میڈیا کی شکل میں ایک طاقت ور میڈیا دنیا کو ملا، دنیا کے اہل دانش اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن مسلمان جنہیں امت دعوت ہونے پر ناز وفخر ہے، وہ

دین کے پیغام کو پہونچانے کے لئے اس سے کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں، یہ موجودہ وقت کا سب سے بڑا المیہ ہے، یہ ذرائع اگر صرف برائی کے لئے مخصوص ہوتے تو بھی اس کے بارے میں سوچنا چاہیے، اور اس کے تدارک کی حکمت عملی اپنانا چاہیے، چہ جائے کہ یہ ذرائع خیر اور شر دونوں کا منبع ہیں، اس کا دروازہ جس طرح شر کی تشہیر وترسیل کے لئے کھلا ہوا ہے اسی طرح خیر کی نشر واشاعت کے لئے بھی کھلا ہوا ہے، مسلمانوں کی حرماں نصیبی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ چند ہزار افراد تک اپنی بات پہونچانے کے لئے لاکھوں روپئے خرچ کرتے ہیں، لیکن اربوں کھربوں افراد تک اپنی بات پہونچانے کی جو سہولت چند سو روپئے میں مل رہی ہے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ سوشل میڈیا موجودہ وقت میں دنیا کا سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے، جنہیں مسلمان دین کی دعوت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، جن کے ذریعہ لاکھوں افراد تک نہ صرف اسلام کی تعلیمات پہونچا سکتے ہیں بلکہ ان کے ذہنوں میں موجود شکوک وشبہات کے کانٹوں کو بھی نکال سکتے ہیں، سکون کی تلاش میں لاکھوں انسان بھٹک رہے ہیں، انہیں ساحل مراد تک پہونچانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، اور سوشل میڈیا اس کے لئے بہترین ذریعہ ہوسکتا ہے، اس لئے سطحی مقاصد اور محض معلومات کے حصول یا معلومات کے تبادلہ کے بجائے دعوتی سرگرمیوں کے لئے ان ذرائع کے استعمال کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، اور منظم طریقہ پر اس سمت اقدام کرنا وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی اور زہر افشانی کے لئے سوشل میڈیا کو ایک منظم محاذ بنا رکھا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ یلغار آج اسی سوشل میڈیا پر ہے، مذہب کے تعلق سے جو باتیں پہلے اشارہ کنایہ میں بھی نہیں کہی جاتی تھیں آج کھلم کھلا کہی جارہی ہیں، حقائق کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کی جارہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو داغدار کرنے میں پوری توانائی صرف کی جارہی ہے، ایسی صورت حال میں کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ باطل کی فریب کاریوں کا پردہ اسی سوشل میڈیا پر چاک کیا جائے، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جو غلط پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس کا جواب اسی انداز سے دلائل اور حقائق کی روشنی میں دیا جائے، انسانیت کے پیغام کو عام کرنے کے لئے اس پلیٹ فارم کا خوب خوب استعمال کیا جائے۔ آج وقت کی پکار یہی ہے کہ اس اہم ترین ذریعہ کو دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے، بے دینی کے خاتمہ کے لئے، سماجی برائیوں کے ازالہ کے لئے، منصوبہ بند طریقہ سے استعمال کیا جائے، سوشل میڈیا کے بے تکے استعمال سے نوجوانوں کو روکا جائے، انہیں ان ذرائع کا مفید استعمال بتایا جائے، یہ ذہن بنایا جائے کہ ان ذرائع کو اپنی ذات کے لئے، اپنے ادارہ کے لئے، اپنی قوم کے لئے اور اپنے وطن کے لئے مفید طریقہ سے کیسے استعمال کر سکتے ہیں۔

اسی کے ساتھ دینی اداروں، جماعتوں اور تنظیموں کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں سنجیدگی سے سوچیں، دعوت اور اصلاح کے ان وسائل کو نظر انداز کرنا یا بے توجہی برتنا کسی طرح عقل مندی نہیں ہے، دعوتی مقاصد کے تحت ان ذرائع کا بھرپور استعمال ہوسکتا ہے، ہمارے علمی ورثہ میں ہر اعتراض کا مدلل اور اطمینان بخش جواب موجود ہے، ہمیں صرف آج کی زبان میں انہیں پیش کرنا ہے، میڈیا سے متعلق چند پروفیشنل کی خدمات حاصل کی جائیں تو اس میدان میں بڑا کام ہوسکتا ہے، آج مسلم نوجوانوں میں دینی کتابوں سے بے رغبتی عام ہے، آنے والی نسلیں کتابوں سے مزید دور ہوں گی، مگر ان کی انگلیاں کی بورڈ (keyboard) پر زیادہ متحرک ہوں گی، موجودہ نسل اور آئندہ کی نسلوں کو دین سے واقف کرانے کے لئے ان ذرائع کو استعمال کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ سوشل میڈیا کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ موجودہ وقت کا سب سے سستا میڈیا ہے، کم پیسوں میں اسے استعمال کیا جاسکتا ہے، اور کم وقت میں اس سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے، اور اس سے بھی بڑی خوبی یہ ہے کہ جو غلط بات جہاں کہی گئی وہیں اس کا جواب دیا جاسکتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اس مواد کو پڑھے گا تو مذکورہ اعتراض کے ساتھ ہمارا جواب بھی اس کے سامنے ہوگا، اسی طرح ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ سوشل میڈیا پر ڈالا گیا کوئی مواد ختم نہیں کیا جاسکتا ہے، اگر ڈالنے والا اسے ختم بھی کردے تو چند سکنڈوں میں وہ بات کہیں سے کہیں پہونچ چکی ہوگی، پھر ہر ایک کے پاس سے اسے ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس وقت سوشل میڈیا پر کئی طرح سے کام کرنے کی ضرورت ہے:

الف: اسلامی تعلیمات پر مشتمل مواد کی ترسیل ا۔ اسلامی تعلیمات اور خصوصا ان حصوں کو جن میں دبے کچلے اور مظلوم افراد کے لئے بڑی کشش ہے، موثر انداز میں پیش کیا جائے۔ ا۔ امن وسلامتی، انسانیت دوستی، اور مذہبی رواداری سے متعلق اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ وہندوستانی تاریخ کے سچے واقعات کو اچھے اسلوب میں پیش کیا جائے۔ اس طرح کے مواد کو چھوٹے مضامین کی شکل میں سوشل نیٹورکنگ کی مختلف سائٹوں مثلا فیس بک، بلاگ، انسٹاگرام، وغیرہ پر پیش کیا جائے، اسی طرح ان موضوعات پر چھوٹے چھوٹے ویڈیو بنا کر یوٹیوب پر اپلوڈ کیا جائے۔

ب: اسلام اور مسلمانوں سے متعلق پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا جواب تحریر اور ویڈیو دونوں شکلوں میں تیار کر کے سوشل میڈیا کی مختلف سائٹوں پر انہیں داخل کیا جائے۔

ج: مختلف سائٹوں پر جہاں جہاں اسلام مخالف مواد موجود ہے وہاں تبصرہ کے خانہ میں اس کا مختصر جواب لکھا جائے، اور ایسے مواد کو ناپسند (Unlike) کیا جائے، اسی طرح ایسی سائٹوں کے خلاف متعلقہ سائٹ کی کمیونیٹی سے شکایت کی جائے۔

د: الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پیش کی جانے والی شر انگیزیوں کا تعاقب کیا جائے، اور اس کا جواب سوشل میڈیا کے ذریعہ دیا جائے۔

ہ: مسلمانوں سے متعلق بہت سے مسائل کو اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا نظر انداز کرتے ہیں، ان مسائل اور ایشوز کو سوشل میڈیا کے ذریعہ عوام تک لانے کی کوشش کی جائے کہ اپنے مسائل کو اگر مسلمان خود نہیں پیش کریں گے تو دوسرا کون کرے گا۔

سب سے اہم یہ کہ سوشل میڈیا کے تعلق سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ذہن سازی کی جائے، اور انہیں سوشل میڈیا کے ذریعہ دعوتی سرگرمیوں کے وسیع امکانات سے واقف کرایا جائے، انہیں بتایا جائے کہ اپنی مصروفیات کے ساتھ وہ کس طرح دین کی بہترین خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر جتنی طاقت سے اپنی بات کہنے کی سہولت ہے اتنی ہی طاقت سے اس کے نقصان کا بھی امکان ہے، اس لئے اس کام میں منصوبہ بندی بہت ضروری ہے، باصلاحیت اور ذہین نوجوان کو اس کام کی تربیت دینا اوٹیکنیکل ماہرین کے تعاون سے اس محاذ پر منظم اور بھرپور طریقہ سے سرگرم ہونا اور میڈیائی جنگ سے مقابلہ کے لئے میدان میں آنا بیحد ضروری ہے، اگر اس وقت اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی تو اس سے جو ناقابل تلافی نقصان ہوگا اس کا اندازہ مشکل ہے۔

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تری رہبری کا سوال ہے

(بقیہ صفحہ ۶۹ سے)

والدین کے حقوق ہوں، اپنے بچوں کے حقوق ہوں، اساتذہ کے حقوق ہوں، رشتہ داروں کے حقوق ہوں، دوست احباب کے حقوق ہوں، ہمسایوں کے حقوق ہوں یا ملک میں رہنے والے ہم وطنوں کے حقوق ہوں۔ یہاں تک کہ جانوروں کے حقوق بھی متعین ہیں اور ان تمام حقوق کی مکمل ادائیگی سے ہی انسانی معاشرے میں خوشحالی اور حسن پیدا ہوسکتا ہے۔ حقوق اللہ کے مقابلے میں حقوق العباد کی اہمیت اس لیے بھی بعض دفعہ بڑھ جاتی ہے کہ دنیا کی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ وہ آدمی ہے جو اس کے کنبے (مخلوق) کے ساتھ بھلائی کرے''۔ لہذا ہمیں بھی اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کو اپنی عملی زندگی میں مدنظر رکھنا چاہیے اور انسانی خیر خواہی و بہبودی کے اعمال کو عبادت اور تقربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر انجام دینا چاہیے۔

خدمتِ خلق اور اسلامی ہدایات

حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی مدظلہ *

اسلام میں جتنی اہمیت ان عبادات کی ہے، جن کا تعلق بندے اور اس کے رب سے ہے، اتنی ہی بلکہ بعض معنوں میں اس سے بھی زیادہ اہمیت ان عبادات اور اعمالِ صالحہ کی ہے، جن کا تعلق بندوں سے ہے۔ اس ضمن میں مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا، ان کے کام آنا، ان کے مصائب اور پریشانیوں کو دور کرنا، ان کے دکھ درد کو بانٹنا اور ان کے ساتھ ہمدردی وغمخواری اور شفقت کرنا جیسے نیک اعمال آتے ہیں۔ ان تمام اعمال کو مختصر طور پر خدمتِ خلق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، خدمت خلق کتنی بڑی نیکی اور کتنا افضل عمل ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا کیا مقام ومرتبہ ہے، یہ ایک نہایت ہی اہم اور عظیم الشان موضوع ہے، جس پر علمی اعتبار سے علماء نے سیکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ قرآنی آیات، احادیثِ پاک اور فقہی تصنیفات کے زیادہ تر حصوں کا تعلق انسانوں کے باہمی معاملات سے ہے اور ان سب کا مرکز ومحور کسی نہ کسی طور خدمتِ خلق کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

قرآن کے مطابق تخلیقِ انسانی کی غرض عبادتِ خداوندی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے''۔ (الذاریات، آیت:56) اس آیت کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ انسانوں اور جناتوں کو صرف اس لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ عبادت سے یہاں مراد صرف پانچ وقت کی نمازیں اور نوافل نہیں، بلکہ یہ تعبیر اپنے جامع اور عام مفہوم میں رضائے الٰہی کی طلب کے مترادف ہے، امام رازی نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں، ایک امرِ الٰہی کی تعظیم، دوسری خلقِ خدا پر شفقت۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔ عبادت کے مفہوم میں جو وسعت ہے، اس کا اندازہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: ''نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال خرچ کرے، قرابت داروں، مسکینوں،

* صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن دہلی

راہ گیروں اور سائلوں پر اور گردنوں (غلاموں) کو آزاد کرانے میں''۔ (آیت:177)

نبی پاک ﷺ کی سیرت مبارکہ میں اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کی زندگیوں میں اس کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ نے تو اپنی امت کے لیے ایک اصول بیان فرمادیا ہے کہ ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' اس خیر خواہی میں عملی خیر خواہی بھی شامل ہے اور زبانی خیر خواہی بھی۔ یعنی اگر کوئی بھائی آپ سے کسی معاملے میں مشورہ طلب کرے تو اسے اپنی سمجھ کی حد تک اچھا اور مفید مشورہ دینا چاہیے، اسی طرح اگر کوئی شخص مصیبت میں پھنس جائے اور اسے مالی مدد کی ضرورت ہو تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد کرنا چاہیے۔ یہ دونوں چیزیں دین کے بنیادی تقاضوں میں شامل ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوگا کہ ہم نے دین کو کتنا سمجھا ہے اور اسے اپنی عملی زندگی میں کس حد تک نافذ کرتے ہیں۔

ایک دوسری مشہور حدیثِ پاک میں مزید وضاحت کے ساتھ اللہ کے نبی ﷺ ایک دوسرے کے حقوق کی تشریح کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بھلائی کے ساتھ چھ حقوق ہیں (۱) ملاقات کے وقت سلام کرے (۲) اس کی دعوت قبول کرے (۳) اس کی چھینک کا جواب دے (۴) بیماری کے وقت اس کی عیادت کرے (۵) جب اس کی وفات ہو تو اس کے جنازے میں شریک ہو (۶) اور جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسرے بھائیوں کے لیے بھی پسند کرے''۔ اس حدیث پاک میں جن چھ حقوق کی نشان دہی کی گئی ہے ان کا تعلق انفرادی طور پر ہر مسلمان سے اور اجتماعی طور پر پوری ملتِ اسلامیہ سے ہے۔ اگر ان حقوق کی ادائیگی کا ہم سب اہتمام کرنے لگیں تو معاشرے میں ایک نہایت خوشگوار انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور باہمی ہم آہنگی و اخوت کی مثال قائم ہوسکتی ہے۔ صحابۂ کرام اپنے نبی ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے اسے فوری طور پر اپنی عملی زندگی میں نافذ کرتے تھے، نیکی کرنے میں ان میں سے ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں عہدِ نبوی کے صرف ایک واقعے کا ذکر کافی ہوگا، یہ واقعہ محض اسلامی تاریخ کے ایک زریں اور سنہرے پہلو ہی سے روشناس نہیں کراتا بلکہ یہ ہمارے لیے سبق آموز بھی ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی ضرورتوں کے پیش نظر صحابۂ کرام کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے انھیں صدقے کا حکم فرمایا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ''اس زمانے میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا، میں نے سوچا اگر میں (نیکی میں) ابوبکرؓ سے کبھی آگے بڑھ سکتا ہوں تو آج اس کا اچھا موقع ہے، یہ سوچ کر میں گھر آیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا، اس میں سے آدھا حضور ﷺ کی خدمت میں لے آیا، آپؐ نے دریافت کیا ''گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟'' تو میں نے کہا کہ ''ان کے لیے آدھا مال چھوڑ آیا ہوں'' پھر حضرت

ابوبکرؓ اپنے گھر سے مال لے کر آئے، ان سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا ''گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟'' تو انھوں نے جواب دیا ''اللہ اور اس کے رسول کے نام کی برکت اور ان کی رضا جوئی وخوشنودی کو چھوڑ کر آیا ہوں''۔ حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں ''اس وقت مجھے یقین ہوگیا کہ میں ابوبکر صدیقؓ سے کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا''۔ (ابوداؤد)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو عظیم الشان صحابہؓ کے واقعے میں ہمارے لیے کئی اسباق پوشیدہ ہیں ایک تو یہ کہ محتاجوں اور غریبوں کی مدد کے لیے فوری طور پر آگے آنا چاہیے اور جو مال ہے اس کے ذریعے مدد کرنی چاہیے، دوسرے یہ کہ خود آگے بڑھیں یہ نہ سوچیں کہ فلاں آگے آئے، پھر میں بھی بڑھوں گا اور تیسرا اسبق ہے ایثار کا جس کی مثال دونوں صحابیوں نے پیش کی، البتہ دونوں کے عمل میں فرق تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مال میں سے صدقہ بھی دیا اور گھر کی ضرورت کے بقدر رکھا بھی اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مزاج کے مطابق سارا مال صدقہ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ضرورت انھیں بھی رہی ہوگی، ان کے گھر میں اور بھی افراد تھے اور ان سب کی حاجتیں تھیں، مگر انھوں نے ایثار کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرتے ہوئے گھر کا سارا مال غریبوں کو صدقہ کر دیا۔ دونوں صحابی کا عمل ہمارے لیے لائقِ تقلید ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ عصرِ حاضر میں ہم نے صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو ہی عبادت کا مطلب سمجھ لیا ہے اور عملی طور پر اخلاقیات، معاملات اور معاشرت کو دین کے دائرے سے تقریباً نکال رکھا ہے۔ حالانکہ یہ سب بھی جزوِ دین ہیں اور اسلام کے اندر ان کا بھی وہی درجہ ہے جتنا کہ عقائد اور دیگر عبادات کا اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ عقائد اور ایمانیات کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے جبکہ اخلاقیات ومعاملات اور معاشرت کا تعلق پورے انسانی معاشرے اور سماج سے ہے اور اس کی وجہ سے ان چیزوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس کو مثال کے ذریعے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ نماز ایک فرض عبادت ہے، لیکن یہ مخصوص اوقات میں ہی فرض ہے، پس اگر کوئی عین اس وقت نماز پڑھنا چاہے جب سورج طلوع ہو رہا ہے یا زوالِ آفتاب کے وقت پڑھے تو وہ فرض عبادت بھی کوئی معنی نہیں رکھتی، اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اصل چیز جو مطلوب ہے وہ ہے حکمِ الٰہی کی تکمیل اور نماز اس کی ایک ظاہری صورت ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ایک فرض عبادت ہے لیکن عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، حج بھی مخصوص ایام میں ہی قابلِ قبول ہے اور زکوٰۃ کے لیے بھی کچھ مخصوص شرائط ہیں جن کے پائے جانے کی صورت میں ہی اسے ادا کیا جا سکتا ہے ان شرطوں کے پائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ لیکن ان کے برخلاف جو انسانی حقوق ہیں اور ایک دوسرے کی ذمے داریاں ہیں، ان کی ادائیگی ہمیشہ، ہر جگہ اور ہر وقت ضروری ہے۔ چاہے وہ انسان کی اپنی ذات کے حقوق ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۶۶ پر)

تصوف کیا ہے؟

از افادات: حضرت مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ

اَلحمدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت اور سلوک وطریقت، شریعت کے خلاف ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تعلیم نہیں دی ہے اور جو لوگ تصوف وطریقت کے ذمہ دار ہیں ان کے افعال واطوار، حرکات وسکنات شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں، اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے، حالاں کہ واقعہ یہ نہیں ہے۔

بیعت کسے کہتے ہیں: بیعت نام ہے اس کا کہ شریعت کی کسی بات کے لیے عہد لیا جائے کہ وہ اس امر کو اللہ کے حکم سے انجام دیں گے یا کسی خاص دینی مسئلہ کا کہ وہ اس پر عمل کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے مواقع پر ایسا کیا ہے، ✷ حدیبیہ کی لڑائی کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد لیا تھا کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں، بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور موت آجائے گی تو اس کو اختیار کریں گے اور اسلام کی سربلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادیں گے۔ ✷ اللہ تعالیٰ سورۂ فتح میں فرماتا ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے، پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کردیا اور ان کو فتح قریب عطا فرمائی)

✷ اسی طرح سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے بیعت لینے کے متعلق ذکر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

(اے نبی! جب عورتیں تمہارے پاس آئیں اور عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی)

زمانۂ جاہلیت میں عادت تھی کہ ماں باپ اپنے بچوں کو فقر و فاقہ کی وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے، اسی طرح اور برائیوں میں لوگ مبتلا تھے، عہد لیا گیا کہ ان سب سے علیحدہ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابع داری کریں گے۔ ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ ان عورتوں سے بیعت لیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے، پس معلوم ہوا کہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی۔

✷ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان بارہ اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں شریک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کا داعی اور مبلغ نقیب بنا کر بھیجا تھا، اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک تھے جن کی مغفرت کا دنیا ہی میں اعلان ہو چکا تھا۔ یہی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ کے گرد حاضر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: بَایِعُوْنِیْ عَلٰی أَنْ لَّاتُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوا وَلَاتَقْتُلُوْا أَوْلَادَکُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُھْتَانٍ تَفْتَرُوْنَہ بَیْنَ أَیْدِیْکُمْ وَأَرْجُلِکُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِی مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰی مِنْکُمْ فَأَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَالِکَ شَیْئًا فَعُوْقِبَ فِی الدُّنْیَا فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَہٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذَالِکَ شَیْئًا ثُمَّ سَتَرَہُ اللّٰہُ فَھُوَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْہُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَہٗ فَبَایَعْنَاہُ عَلٰی ذَالِکَ (بخاری: کتاب الایمان)

(مجھ سے بیعت کرو اس پر کہ اللہ کا کسی کو شریک نہیں گردانو گے سرقہ اور زنا کا ارتکاب نہ کرو گے اور اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہ کرو گے اور بہتان نہ باندھو گے اور کسی بھی اچھے کام میں نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرو گے پس جو شخص اس عہد کو پورا کرے اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی جرم کا مرتکب ہو جائے پس اگر دنیا میں اس کو اس کی سزا مل گئی تو وہ کفارہ ہو سکتی ہے اور اگر دنیا میں اللہ نے اس کی پردہ پوشی کر لی تو پھر اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے معاف کرے اور اگر چاہے سزا دے (راوی کہتے ہیں کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد ختم کر چکے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی۔

✷ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت لی اس پر کہ میں مسلمانوں کی خیر خواہی کروں گا اور حفاظت کروں گا اور جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے بچوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف لوگوں سے مختلف چیزوں پر بیعت لی، کبھی بعض خاص باتوں پر بیعت لی، کبھی

پوری شریعت پر؛ بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے قرآن وحدیث میں بہت سے واقعات ذکر کیے گئے ہیں جن سے بیعت کا ثبوت ملتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے سے یہ سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے، بیعت کے طریقے ہر زمانے میں جاری رہے ہیں اور اللہ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے اس سلسلے میں عہد لیے ہیں، اسی کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے۔

تصوف کا حدیث سے ثبوت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا ہم میں سے اس کو کوئی پہچانتا نہیں تھا اس کے کپڑے نہایت سفید تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا ہم نے تعجب کیا وہ باہر سے آئے ہوئے معلوم نہیں ہوتے تھے کیوں کہ ایسے آدمی کے جو سفر کر کے آیا ہو کپڑے بہت میلے اور گندے ہوتے ہیں اس نے سوال کیا ما الایمان؟ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تؤمن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و تؤمن بالبعث بعد الموت و القدر خیرہ و شرہ الخ (اوکما قال) ایمان یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور قیامت پر اور اچھی بری تقدیر پر، اس کے بعد سوال کیا اسلام کیا چیز ہے؟ فرمایا: ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ و لا تشرک بہ شیئًا و تقیم الصلوٰۃ و تؤتی الزکوٰۃ و تصوم رمضان و تحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا (یعنی تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ ایک ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور روزہ رکھو اور زکوٰۃ دو اور استطاعت ہو تو حج کرو) اس کے بعد سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فھو یراک کہ احسان نام ہے اس چیز کا کہ خدا کی عبادت مکمل خضوع وخشوع کے ساتھ انجام دو اور اس طرح عبادت کرو جس سے ظاہر ہو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو جیسے غلام آقا کو دیکھتا ہے تو نہایت توجہ سے کام کرتا ہے کوتاہی نہیں کرتا، ہر عبادت کی تکمیل اس طرح کرو جیسے تم اپنے آقا و مالک کے دیکھنے کے وقت کرتے ہو اور اگر تم کہو ہم تو اللہ کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے غلام کام کی تکمیل اس واسطے کرتا ہے کہ آقا اس کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے اسی احسان کے حاصل کرنے پر تمام تصوف کا مدار ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تزکیۂ نفس: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار کام سپرد کیے گئے تھے جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے: یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ (۱) قرآن کریم کی آیتیں سناتے تھے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا کلام سکھاتے تھے۔ (۳) حکمت کی باتیں بتلاتے تھے۔ (۴) اور چوتھا

کام یہ کہ دلوں کے میل کچیل دور کرتے تھے اور ان کو پاک وصاف کرتے تھے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی طاقت سے اہل ایمان کے دلوں کے میل کچیل دور ہوجاتے تھے، غیر اللہ کی محبت اور ہر قسم کی برائی دور ہوجاتی تھی۔

صحبت کا اثر: آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضور کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہوتے ہی احسان حاصل ہوجاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی قوّت اتنی قوی تھی کہ جو حاضر ہوتا تھا اس کے قلب پر ایسا اثر پڑتا تھا کہ تمام چیزوں کو بھول جاتا تھا اور اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کئی روز حاضر نہ ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ اپنے آدمیوں کو یاد کرتے تھے جب وہ ایک دو وقت نہیں آئے تو فرمایا: حنظلہ کیوں نہیں آئے؟ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ابھی پوچھ کر آتا ہوں اور خبر لاتا ہوں چناں چہ وہ ان کے گھر گئے گھر والوں سے پوچھا کہ حنظلہ کہاں گئے؟ بیوی نے کہا کہ گھر میں سر جھکائے گوشہ میں بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اندر جا کر دیکھوں، اجازت لی اور اندر گئے دیکھا بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں، پوچھا کیوں نہیں آئے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں منافق ہوگیا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیسے؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو دنیا کی ساری باتیں فراموش ہوجاتی ہیں اور خدا سے تعلق رہتا ہے اور جب گھر آتا ہوں اور بال بچوں میں لگ جاتا ہوں تو یہ حالت نہیں رہتی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری بھی یہی حالت ہے اور پھر یہ بھی بیٹھ کر رونے لگے اور پھر فرمایا کہ ہماری تمام مشکلات کو حل کرنے والے وہی آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان کے پاس چلو رونے سے کوئی فائدہ نہیں! یہ بات ان کی سمجھ میں آئی چناں چہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری ایسی حالت ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر ہر وقت ایسے ہی رہو جیسے میرے سامنے رہتے ہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگیں مگر یہ حالت وقتاً فوقتاً ہی ہوسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے پاک اور صاف دل گویا آئینہ تھے جب بھی آفتابِ نبوت کے سامنے پہنچتے تھے تو یہی حالت ہوجاتی تھی اور جب الگ ہوتے تو اس میں فرق آجاتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا اثر یہ تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے تو ہر چیز روشن معلوم ہوتی تھی، جب تک آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے سب چیزیں روشن معلوم ہوتی رہیں، وفات کے بعد جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر پر مٹی ڈالی تو وہ روشنی جاتی رہی، اور

کہتے ہیں کہ ابھی ہم نے ہاتھوں سے مٹی نہیں جھاڑی تھی کہ خود ہمیں اپنے دل اوپر سے معلوم ہونے لگے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانیت کے آفتاب تھے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے روشنی حاصل کی اسی بناء پر اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو شخص اسلام کے ساتھ چند منٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں رہا ہو وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے متقی اور ولی سے بھی افضل واعلیٰ ہے۔

ریاضات ومجاہدات کی ضرورت کیوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ طاقت ور تھی،دل ودماغ روشن کرنے والی،اس لیے ریاضت کی زیادہ حاجت نہ ہوتی تھی،ضرورت اس بات کی تھی کہ اخلاص کے ساتھ مجلس میں حاضری ہوجائے؛مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی جدائی کے بعد وہ روشنی نہیں رہی اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے جتنا زمانہ دور ہوتا گیا روحانی اور قلبی صفائی میں کمی ہوتی گئی،جس طرح صاف برتن کے صاف کرنے سے میل جلد دور ہوجاتا ہے عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے صاف قلوب کو صاف کرنے کے لئے کسی خاص ریاضت کی ضرورت نہیں تھی مگر جیسے جیسے میل بڑھتا اور جمتا گیا ریاضت کی ضرورت زیادہ ہوتی گئی۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو اُصول تصوف میں ذکر کیے گئے ہیں یعنی بارہ تسبیحیں،ذکر جہری،پاس انفاس،مراقبہ وغیرہ اس کا بھی حدیث میں ذکر نہیں ہے،ان کا یہ اعتراض غلط ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جہاد کے لیے تلوار،تیر کمان وغیرہ کا تذکرہ آتا ہے اور بندوق،مشین گن،گولہ بارود اور ہوائی جہاز کا کوئی تذکرہ نہیں آتا ہے،آج اگر مسلمانوں کو شرعی جہاد کی ضرورت پڑے تو آپ کہیں گے کہ جنگ تلوار سے کرنی چاہیے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ فقط تلوار ونیزہ،تیر وکمان سے کرتے تھے،ہرگز آپ ایسا نہیں کرسکتے،اور اگر آج ایسا کریں گے تو دشمن آپ کو دور ہی سے فنا کردیں گے،مشین گن اور توپوں وغیرہ سے اگر دشمن حملہ کرے تو ہم کو بھی وہی چیز اختیار کرنی چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ جو تم سے قوت ہوسکے دشمن کے مقابلے کے واسطے تیار کرو،مقصود جہاد سے اعلائے کلمۃ اللہ ہے،خواہ جس چیز سے بھی ہو،جس سے دشمن کو شکست دے سکو اس کو مہیا کرو اور مقابلہ کرو۔اسی طرح جس زمانہ میں آقائے نام دار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں موجود تھے تو اس زمانہ میں تھوڑی ریاضت کی ضرورت پڑتی تھی اور اسی سے کام لیا جاتا تھا اور جتنے دن زیادہ گزرتے گئے ریاضتوں کی ضرورت زیادہ ہوتی گئی اسی وجہ سے چلہ،بارہ تسبیح،ذکرِ جہری اور پاسِ انفاس وغیرہ قلب کی صفائی کے لیے متعین کیے گئے۔

آقائے نام دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف میں زبر، زیر نہیں تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کتابی شکل میں جمع کرایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ترتیب دیا، مگر زیر وزبر تب بھی نہیں لگائے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان عربی تھی وہ بغیر زیر وزبر کے پڑھتے تھے جیسے کہ ہم اردو زبان والے اردو کے صفحے کے صفحے پڑھتے چلے جاتے ہیں، آج کوئی بنگالی، برمی یا انڈونیشیا والے سے کہا جائے کہ اردو کی صحیح عبارت پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکتا جس طرح ہم زیر وزبر کے نہ ہوتے ہوئے صحیح پڑھتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن جس میں نہ زیر، نہ زبر نہ نقطہ کچھ بھی نہیں تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح پڑھتے تھے مگر تھوڑے ہی زمانہ بعد اس کی ضرورت محسوس ہوئی، عجمیوں کے خلط ملط کی وجہ سے لوگ زیر وزبر کے محتاج ہو گئے؛ پس یہ اعتراض کہ قرآنِ پاک میں زیر وزبر نہیں لگانے چاہئیں کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پائے گئے تو کیا یہ اعتراض کوئی وزن رکھتا ہے؟ بے شک اس زمانہ میں لوگ بغیر زیر وزبر کے تلاوت کر لیتے تھے مگر آج مکہ اور مدینہ والے جن کی زبان عربی ہے وہ بھی بغیر زیر وزبر و نقطہ کے نہیں پڑھ سکتے، جس طرح ہم محتاج ہیں صرف ونحو کے اسی طرح عرب والے بھی محتاج ہیں اور وہ بھی بغیر زیر وزبر اور نقطہ کے نہیں پڑھ سکتے ہیں تو زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احوال بدلتے رہتے ہیں لیکن وہ احوال جو مقصود کو بدلنے والے نہ ہوں ان کو سنت ہی کہا جائے گا، مثلاً کسی شخص نے روٹی پکانے والے کو متعین کیا تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ لکڑی، چولہا، تو اسب چیزیں مہیا کریں، لکڑی نہ ملے، کوئلہ نہ ملے تو اوپلہ کو بھی استعمال کیا جائے گا غرض جس چیز پر روٹی پکانا موقوف ہو اسی کو طلب کیا جائے گا۔ مختصر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں احسان حاصل کرنے کے لیے ریاضت کی ضرورت نہیں تھی مگر آج اس کی ضرورت ہے اس لئے ہمارے مرشدوں نے بتلایا کہ اس طرح سے ذکر کرو، اگر کوئی کہے کہ یہ بدعت ہے تو سراسر غلط ہے۔

ذکر اللہ کی تاکید: اللہ نے کئی جگہ ذکر کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد ہے: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ کھڑے اور بیٹھے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسی طرح لفظ اللہ، سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ ضرب کے ساتھ ہو یا بلا ضرب ارشاد خداوندی کے تحت سب داخل ہے۔ دوسرے موقع پر قرآن شریف میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا تیسرا ارشاد ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ اگر تم مجھ کو یاد کرو گے میں تم کو یاد کروں گا، کوئی قید نہیں کہ کس طرح سے ذکر کیا جائے، مطلقاً ذکر کا حکم ہے، ہمارے بڑے تجربہ کار لوگوں نے کہا ہے کہ ذکر سری سانس کے ساتھ اور ذکر خفی روح کے ساتھ کرو۔ بہر حال ذکر کوئی بدعت نہیں ہے، جیسے حکم دیا تھا جہاد کرنے کا کہ دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے جہاد کرو، چاہے تیر سے چاہے تلوار سے، چاہے توپ

یا مشین گنوں سے جس طرح تم انجام دے سکو اور دشمن کو شکست دے سکو، جیسے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے تو زیروز برلگانا اور عکس قرآن چھاپنا سب اسی کے حکم میں ہے، تم کو حج کا حکم دیا گیا ہے تو پہلے اونٹوں پر سفر کرتے تھے تو اس کی ضرورت ہوتی تھی اور اب جہازوں اور لاریوں پر سفر کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی بے وقوف کہے کہ یہ بدعت ہے میں تو ہندوستان سے اونٹوں پر سفر کروں گا تو کیا آپ کر سکتے ہیں؟ اسی طرح سے جدہ پہنچنے کے بعد لاریوں سے سفر ہوتا ہے تو مقصود بیت اللہ کی حاضری ہے، جس طرح سے ہو اس کو انجام دیا جائے، مقصد میں کوئی فرق نہیں آیا زمانہ کی ضرورت کی حیثیت سے فرق پڑ گیا۔

آج یہ کہنا کہ تصوف وسلوک میں جو باتیں ہیں بدعت ہیں یہ غلط ہے، وہ مامور بہ ہیں ان پر عمل کرنا ہوگا کیوں کہ اصل مقصد تصوف میں احسان ہے اس کے حاصل کرنے کے جو طریقے خلافِ شریعت نہیں ہیں وہ سب ضروری ہیں، البتہ اگر کوئی شخص کہے کہ مجھ کو خدا تک پہنچنے کے لیے قوال، ڈھول اور گانے والے کی ضرورت ہے تو یہ خلافِ شریعت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان چیزوں کی ممانعت کی ہے تو جن چیزوں سے ممانعت کی گئی وہ سنت میں داخل نہیں ہیں۔

بیعت کی ضرورت واہمیت: بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے، یہ شبہ غلط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت لی اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا وہ اپنی کتاب ''صراطِ مستقیم'' میں بیعت کے فائدے بتلاتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس کی قبولیت کی وجہ سے خدا کی رحمت اس کی کفالت کرتی ہے اور اس کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک طریقہ سے اس کی عصمت کی حفاظت کی جاتی ہے، اگر اس کا مرشد بھی عزت والا ہے تو اس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تیرا فلاں مرید فلاں خرابی میں مبتلا ہو رہا ہے اس کو نکالا جائے تو مرشد اس کو مناسب تدبیر سے اس خرابی سے نکالتا ہے کبھی خود خداوند کریم ہی اس مرید کو خرابی سے بچاتا ہے۔ کبھی فرشتہ کو حکم دیا جاتا ہے اور کسی ذریعے سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے مثلاً مرشد کی صورت میں آکر فرشتہ اسے بچاتا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ زلیخا کے ساتھ مشہور ہے کہ اس نے سات کوٹھریوں میں بند کر کے وصال چاہا اور ان پر جبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: معاذ اللہ! میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں، اس کی بیوی پر ہاتھ ڈالوں، اس نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں میں ظالم نہیں ہو سکتا ہوں۔ اس نے بہت مجبور کیا، پھسلایا اور پیچھا کیا اور قریب تھا کہ برائی میں مبتلا ہو جائیں چناں چہ فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے واسطے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو

مقرر کیا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں آئے، وہ سامنے کھڑے ہو کر انگلی منہ میں دبائے ہوئے تھے اور اشارہ سے کہہ رہے تھے کہ خبردار! اس میں مبتلا نہ ہونا حالاں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کسی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کی طرف سے کسی روحانی ذریعے سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بیعت کے بہت زیادہ فوائد ہیں، قرآن شریف میں ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی پارٹی میں داخل ہوتا ہے تو اس پارٹی کے تمام بڑوں سے اس کے تعلقات ہو جاتے ہیں اور وہ بڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں تو آخرت والے جو خدا کے سچے بندے ہیں تو ان میں یہ بات کیوں کر نہ ہوگی ان میں تعلقات کی بات بہت اونچی ہوتی ہے، اگر تم اللہ کے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ تو جماعت کے تمام بڑوں سے خواہ دنیا میں ہوں یا آخرت میں سب سے تعلق ہو جاتا ہے اور وہ لوگ دعا کرتے ہیں اپنی ہمت سے خبر گیری کرتے ہیں۔

شریعت و طریقت میں نہ بیعت بدعت ہے نہ طریقت بدعت ہے اور نہ طریقت شریعت سے جدا ہے۔ طریقت شریعت کی خادم اور اس کی تکمیل کرنے والی ہے۔ بڑے بڑے لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں نے وہ طریقے جاری کیے جن سے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل ہو، ان طریقوں سے مقصود قربت اور آخرت کا حاصل کرنا ہے۔ مگر جیسے ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں اس طرح اس جماعت میں ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے خرابی پیدا ہو رہی ہے، دین کو جال بنا کر دنیا حاصل کرنے والے ہر جماعت میں اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں، ایک دو کی برائی کی وجہ سے پورے دین میں کوئی برائی نہیں ہے، ہاں بیعت ہونے کے وقت مرشد کا انتخاب سوچ سمجھ کر، کھرا کھوٹا دیکھ کر کرنا چاہیے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

بیعت کون لے سکتا ہے؟: بیعت کا ہر شخص کو حق نہیں، بیعت لینے کا حق اسی کو ہے جو فسق و فجور سے بچتا رہا ہو اور کسی پیر کے پاس رہا ہو اور کسی پیر کے پاس رہ کر کتاب و سنت کی روشنی میں تزکیۂ قلب کر چکا ہو اور اپنے مرشد سے نسبتِ باطن حاصل کی ہو ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ پر زمانۂ سابق میں بیعت کی جاتی تھی، تمام صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم میں یہ اوصاف پائے جاتے تھے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خصوصاً یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ان کے خلفاء سے یہ سلسلہ چلتا رہا، جو بیعت لیتے ہیں ان کو پیر کہتے ہیں، پیر کے معنیٰ بڈھے کے ہیں اور عربی میں اسے شیخ کہتے ہیں، چونکہ عموماً وہ شخص جو زیادہ دنوں تک اللہ اور رسول کی اطاعت میں وقت گزارتا ہے اور تجربہ حاصل کرتا ہے اور پھر اشاعت وتبلیغ کا کام کرتا ہے بوڑھا ہو جاتا ہے اسی لیے اس کو پیر کہا جاتا ہے، پیر کسی شخص کا نام نہیں ہے کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ جو شریعت کا پابند اور عرصۂ دراز تک ریاضت کیے ہوئے ہو اللہ کی کثرت سے اطاعت کرتا ہو اور دنیا کا حریص نہ ہو اس قدر عبادت کی ہو کہ اس سے نسبت پیدا ہو گئی ہو وہی پیر ہوتا ہے مگر عرصہ دراز گزرنے کے بعد جس طرح ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں اسی طرح طریقت کے اندر بھی کھرے کھوٹے پیدا ہو گئے جو شخص شریعت پر نہ چلتا ہو اور نہ سنت کا تابع دار ہو وہ شخص بیعت لینے کا مستحق نہیں ہے، حکم ہوا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ رہو) پیر وہ ہوتا ہے جو ہر طرح سچا ہو جس کے اندر فریب نہ ہو، پیر اس شخص کو بنایا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ (اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ سے اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو امید ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے۔) ایمان کا درجہ اول ہے اور ثانوی درجہ تقویٰ کا ہے اور تیسرا درجہ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ سے مراد مرشد تلاش کرنا ہے، چوتھا حکم ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو، سب سے پہلا جہاد یہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرو۔

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ پاکستانی فوج میں احمدیوں کی بھرتی پر پابندی عائد کی جائے؛ سابق کیپٹن صفدر (۱۲/اکتوبر ۱۷ء منصف)

✷ بلند آواز میں اللہ اکبر کہنے پر فرانسیسی مسلمان کو گولی ماردی گئی۔ (۲۰/نومبر ۱۷ء روزنامہ اعتماد)

✷ قطری عوام ہمارے بھائی ہیں: اردگان۔ (۱۷/نومبر ۱۷ء روزنامہ اعتماد)

✷ ٹرمپ کے صدر بننے کے بعد فلسطین میں یہودی آبادکاری میں 100% اضافہ

(۱۷/نومبر ۱۷ء روزنامہ اعتماد)

✷ یمن کو شدید خشک سالی کا خطرہ، امدادی کھیپوں کی درآمدات پر امتناع برخواست کرنے اقوامِ متحدہ کی اپیل۔ (۱۰/نومبر ۱۷ء روزنامہ منصف)

✷ سعودی عرب، بحرین تیل پائپ لائن میں دھماکہ، سپلائی معطل، سعودی تیل تنصیبات پر سخت سیکیوریٹی، دھماکہ ایران کی کارستانی۔ (8/اکتوبر 2017 روزنامہ منصف)

✷ امریکہ سے امداد اور اسلحہ نہیں، عزت و وقار چاہتے ہیں ۹/۱۱ کے بعد بڑا سمجھوتہ کیا، نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔ خواجہ آصف (۲۶/اکتوبر 2017 روزنامہ منصف)

✷ بنگلہ دیش میں روہنگیا مسلمانوں کی تعداد چھ لاکھ ہوگئی۔ (۲۷/اکتوبر 2017 روزنامہ اعتماد)

✷ قطر کے مزید اداروں اور شخصیتوں پر پابندی ۴/عرب ممالک (سعودی عرب، مصر، متحدہ عرب امارات اور بحرین) کا فیصلہ، ورلڈ علماء کونسل بھی فہرست میں شامل۔ (۲۴/نومبر ۱۷ء روزنامہ اعتماد)

✷ سعودی عرب ۷/بلین ڈالر کا جدید اسلحہ خریدنے تیار۔ (۲۴/نومبر ۱۷ء روزنامہ اعتماد)

✷ مصر میں نمازِ جمعہ میں مسجد پر دہشت گرد حملہ، کم از کم ۲۳۵ جاں بحق، تین روزہ سوگ کا اعلان۔

(۲۵/نومبر ۱۷ء روزنامہ اعتماد)

برکات بک ڈپو کی چند مطبوعات

نمبر شمار	اسمائے کتب	زبان	مصنف/مؤلف	قیمت
۱	اسلام اور قادیانیت	اردو	مولانا ادریس صاحبؒ/مولانا عبدالقوی صاحب	20/-
۲	ایصالِ ثواب برحق ہے؟	اردو	مولانا اطہر صاحبؒ/مولانا عبدالقوی صاحب	50/-
۳	اصلاح معاشرہ	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	75/-
۴	اقوالِ حکمت	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	50/-
۵	تذکرۂ اسلاف واکابر	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	200/-
۶	تحفۂ سالکین وطالبین	اردو	شیخ سعدیؒ/مولانا محمد عبدالقوی صاحب	75/-
۷	جواہر حکمت	اردو	ملفوظات حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ	20/-
۸	جواہر سعادت	اردو	ملفوظات مفتی سعید صاحب مدظلہ	60/-
۹	حکایت ذہبیؒ	اردو	امام شمس الدین ذہبیؒ	20/-
۱۰	حضرت محی السنہؒ	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	150/-
۱۱	دیندار انجمن حقائق کی روشنی میں	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	20/-
۱۲	ذکر حبیب ﷺ (تلگو، ہندی، انگریزی)	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	100/-
۱۳	ستر بڑے گناہ (اردو، رومن انگلش)	اردو	امام ذہبیؒ/مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	150/-
۱۴	سود، رشوت اور سوال	تلگو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	30/-
۱۵	شادی کا اسلامی تصور (رومن انگلش)	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	70/-
۱۶	شیعہ مذہب کے سنجیدہ افراد سے اپیل	اردو	ممدوح عربی/مولانا محمد عبدالقوی مدظلہ	20/-
۱۷	صحبت کاملین	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	20/-
۱۸	غیر مقلدین کے اعتراضات کی حقیقت	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	50/-
۱۹	فرقہ واریت اور اسلام	اردو	حضرت حکیم الاسلامؒ	50/-
۲۰	کیا مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے؟	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	20/-
۲۱	مقالات اصلاحی (اول، دوم، سوم)	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	440/-
۲۲	مطالعۂ مہدویت	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	70/-
۲۳	مشاہدۂ مہدویت	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	80/-
۲۴	نور ایمان کا تنقیدی جائزہ	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	25/-
۲۵	نفاق ایک مہلک بیماری	اردو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	75/-
۲۶	نماز پڑھنے کا طریقہ	تلگو	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	20/-
۲۷	یہودیت وعیسائیت	اردو	مولانا احمد اللہ بختیاری صاحب مدظلہ	75/-
۲۸	صحابہ کے فضائل اور صحبت کے فوائد	اردو	وعظ حکیم الامت حضرت تھانویؒ	50/-